سامراج

سرمایہ داری کی انتہائی منزل

ڈاکٹر ابن حسن

نظر ثانی : ابوذر وسیم

www.Nayaab.Net 2006 انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال

فہرست

سامراج ۔ سرمایہ داری کی آخری منزل (عام فہم مضمون)

پیش لفظ

فرانسیسی اور جرمن ایڈیشنوں کے لیے پیش لفظ: -5 -4 -3 -2 -1

1 ۔پیداوار کا ارتکاز اور اجارہ داریاں

2 ۔بینک اور ان کا نیا رول

3 ۔مالیاتی سرمایہ اور مالیاتی اولیگارشی

4 ۔سرمائے کی برآمد

5 ۔سرمایہ دار کمپنیوں کے درمیان دنیا کی تقسیم

6 ۔عظیم طاقتوں کے درمیان دنیا کا بٹوارہ

7 ۔سامراج ۔سرمایہ داری کے ایک خاص دور کی حیثیت سے

8 ۔سرمایہ داری کی مفت خوری اور بوسیدگی

9 ۔سامراج کی تنقید

10 ۔تاریخ میں سامراج کا مقام

سامراج۔سرمایہ داری کی آخری منزل

(عام فہم مضمون)(1)

پیش لفظ

یہ پمفلٹ جو قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے 1916 کی بہار میں زوریخ میں لکھا گیا تھا۔جن حالات میں میں وہاں کام کررہا تھا ان میں قدرتی طور پر میرے لئے فرانسیسی اورانگریزی کتابوں کی کم تھی اورروسی کتابوں کی تو شدید قلت تھی۔بہر حال میں نے سامراج Imperialism پر انگریزی کی خاص تصنیف ج۔ا۔ہوبسن کی کتاب سے اس تمام توجہ کے ساتھ فائدہ اٹھایا جو میرے خیال میں اس تصنیف کے لئے مناسب تھی۔

پمفلٹ زار شاہی سنسر شپ کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا تھا۔اس لیے میں نے نہ صرف اپنے کو سختی کے ساتھ واقعات کے محض نظریاتی اور خاص کر معاشی تجزیہ تک محدود رکھنے پر مجبور کیا بلکہ سیاست پر چند ضروری مشاہدات کو بڑی احتیاط سے، اشاروں سے، تمثیلی زبان_ کمبخت یوسوپی قصوں کی زبان میں، پیش کرنے پر مجبور ہوا، جس کے اختیار کرنے پر زار شاہی تمام انقلابیوں کو مجبور کرتی تھی جب بھی وہ کسی "جائز" تصنیف کے لیے اپنا قلم اٹھاتے تھے۔

آج کے آزادی کے زمانے میں پمفلٹ کے ان حصوں کو پڑھ کر افسوس ہوتا ہے جن کو زار شاہی کے سنسر کی وجہ سے توڑ مروڑ کر، فولادی شکنجوں میں کسا گیا ہے۔سامراج سوشلسٹ انقلاب کی چوکھٹ ہے،سوشل شاونزم (زبانی طور پر سوشلزم اورعملی طور پر شاونزم)سوشلزم کے ساتھ انتہائی غداری ہے، بورژوازی سے

قطعی طور پر مل جاتا ہے اور مزدور تحریک میں یہ پھوٹ سراسر سامراجیت کے معروضی حالات سے منسلک ہے وغیرہ۔ان تمام معاملات پر مجھے "غلامانہ" زبان میں باتیں کرنی پڑیں۔ میں اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قاری کو ان مضامین کا حوالہ دوں گا جو میں نے بیرون ملک 1914-17 میں لکھے ہیں جن کا ایک نیا ایڈیشن جلد ہی شائع ہو رہا ہے۔صفحات 120-119 (اس ایڈیشن میں صفحہ 155 دیکھیے۔)پر ایک حصے کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے۔سنسر کے لیے قابل قبول روپ میں قاری کو یہ دکھانے کے لیے کہ سرمایہ دار اور غداری کر کے ان سے مل جانے والے سوشل شاونسٹ (جن کی مخالفت کاؤتسکی اتنے غیر مستقل طریقے سے کرتا ہے)الحاقات کے معاملے میں کتنے بےشرم جھوٹے ہیں یہ دکھانے کے لیے کہ وہ اپنے سرمایہ داروں کے الحاقات کی کس بےشرمی سے پردہ پوشی کرتے ہیں، میں مثال کے طور پر جاپان کو پیش کرنے پر مجبور ہوا!غور سے پڑھنے والا قاری آسانی سے جاپان کی جگہ پر روس کو اور کوریا کی جگہ پر فن لینڈ، پولینڈ، کورلینڈ، یوکرین، خیوا، بخارا، استونیا اور غیر روسیوں سے آباد دوسرے علاقوں کو رکھے گا۔

مجھے امید ہے کہ میرا پمفلٹ قاری کو بنیادی معاشی سوال، سامراج کے معاشی مافیہ کے سوال کو سمجھنے میں مدد دے گا، کیونکہ جب تک اس کا مطالعہ نہ کیا جائے اس وقت تک موجودہ جنگ اور موجودہ سیاست کو سمجھنا اور اس کا اندازہ لگانا ممکن نہ ہوگا۔

مصنف

پیٹروگراد۔26 اپریل 1917۔

فرانسیسی اور جرمن

ایڈیشنوں کے لیے پیش لفظ (2)

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

1

جیسا کہ روسی ایڈیشن کے پیش لفظ میں بتایا جا چکا ہے یہ پمفلٹ 1916 میں زار شاہی سنسر شپ کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔فی الحال میں سارے مسودے میں تبدیلیاں نہیں کر سکتا اور نہ شاید یہ مناسب ہوگا کیونکہ کتاب کا خاص مقصد یہ تھا اور ہے کہ مسلمہ بورژوا اعداد وشمار کی بنیاد پر اور تمام ملکوں کے بورژوا عالموں کے اعتراف کے مطابق 20 ویں صدی کی ابتدا میں یعنی پہلی عالمی سامراجی جنگ سے قبل اپنے بین اقوامی تعلقات کے لحاظ سے عالمی سرمایہ دار نظام کی مختتم تصور پیش کی جائے۔

یہ پمفلٹ، جو زار شاہی سنسر کے نقطہ نگاہ سے قانونی تھا، ترقی یافتہ ملکوں کے بہت سے کمیونسٹوں کے لیے اس بات کے امکان اور ضرورت میں یقین کرنے کے لیے ایک حد تک مفید ہوگا کہ مثلاً موجودہ امریکہ یا فرانس میں کمیونسٹوں کی تقریباً مجموعی طور پر حالیہ گرفتاری کے بعد بھی کمیونسٹوں کے پاس جائز ہونے کا جو ہلکا سا امکان باقی رہ گیا ہے اس کو استعمال کیا جائے تا کہ سوشل پیسی فسٹ خیالات اور "عالمی جمہوریت" کی امیدوں کے انتہائی جھوٹ کی وضاحت کی جا سکے۔اس سنسر شدہ پمفلٹ میں جو کچھ بھی اضافہ کرنا بہت ضروری ہے اس کو میں اس پیش لفظ میں دینے کی کوشش کرونگا۔

2

اس پمفلٹ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ 18-1914 کی جنگ دونوں فریقوں کی طرف سے سامراجی (یعنی قبضہ گیر، سفاکانہ اور لوٹ مار) کی جنگ تھی۔ یہ جنگ تھی دنیا کی تقسیم، نوآبادیوں اور مالیاتی سرمائے کے "حلقہ ہائے اثر" وغیرہ کی تقسیم اور از سر نو تقسیم کی۔

اس بات کا ثبوت کہ جنگ کا حقیقی سماجی، یا یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ اس کا طبقاتی کردار کیا ہے قدرتی طور پر جنگ کی مدبرانہ تاریخ میں نہیں بلکہ جنگ میں حصہ لینے والے تمام ملکوں کے حکمران طبقوں کی معروضی پوزیشن کے تجزیے میں ملے گا۔اس معروضی پوزیشن کی ترجمانی کے لیے مثالیں اور الگ الگ معلومات نہ لینی چاہیے (سماجی زندگی کے مظہروں کی انتہائی پیچیدگی کی وجہ سے یہ ہمیشہ ممکن ہے ہر دعوے کو ثابت کرنے کے لیے متعدد مثالیں یا الگ الگ معلومات منتخب کر لی جائیں) بلکہ جنگ میں شریک تمام ملکوں اور ساری دنیا کی معاشی زندگی کی بنیادوں کے بارے میں معلومات کے مجموعے کو لینا چاہیے۔

ٹھیک اسی قسم کی ناقابل تردید مجموعی معلومات کا حوالہ میں نے 1876 اور 1914 میں دنیا کی تقسیم کا (باب 6 میں) اور 1890 اور 1913 میں ساری دنیا کی ریلوے کی تقسیم کا (باب 7 میں) حال بیان کرتے ہوئے دیا ہے۔ریلوے لائنیں بنیادی سرمایہ دارانہ صنعتوں، کوئلے، لوہے اور فولاد کی صنعتوں کا نتیجہ ہیں، عالمی تجارت اور بورژوا جمہوری تہذیب کے ارتقا کا انتہائی نمایاں نتیجہ اور اشاریہ ہیں۔ریلوے لائنیں کس طرح بڑے پیانے کی صنعت، اجارے داریوں، سینڈیکیٹو ں، کارٹیلوں، ٹرسٹوں، بینکوں اور مالیاتی اولیگارشی (financial olgarchy) سے مربوط ہیں، یہ کتاب کے پہلے ابواب میں دکھایا گیا ہے۔ریلوے لائینوں کی غیر مساوی تقسیم، ان کی ناہموار ترقی عالمی پیانے پر موجودہ اجارے دارانہ سرمایہ داری کے نتیجے ہیں۔ اور یہ نتیجے ثابت کرتے ہیں کہ ایسے معاشی نظام کے تحت، جب تک ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کا وجود ہے سامراجی جنگیں قطعی ناگزیر ہیں۔

ریلوے لائینوں کی تعمیر ایک سادہ، فطری، جمہوری، تمدنی اور تہذیبی کام معلوم

ہوتا ہے وہ ان بورژوا پروفیسروں کی رائے میں یہی ہے جن کو سرمایہ داری غلامی کو چمکیلے رنگوں میں پیش کرنے کے لیے پیسے ملتے ہیں اور پیٹی بورژوا تنگ نظروں کی بھی یہی رائے ہے۔لیکن واقعتاً ان سرمایہ دار رشتوں نے ہزاروں مختلف پھندوں کے ذریعہ ان اداروں کو عام طور پر ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت میں جکڑ لیا ہے، ریلوے لائینوں کی تعمیر کو ایک ارب لوگوں (نوآبادیوں اور نیم آبادیوں میں) پر ظلم کے آلے میں تبدیل کر دیا ہے یعنی کرۂ ارض کی آدھی سے زیادہ آبادی پر جو ماتحت ملکوں میں آباد ہے اور "مہذب" ملکوں میں سرمائے کے اجرت کے غلاموں پر بھی۔

چھوٹے مالکوں کی محنت پر مبنی نجی ملکیت، آزاد مقابلہ اور جمہوریت ۔ یہ سب دلکش الفاظ، جن سے سرمایہ دار اور ان کا پریس مزدوروں اور کسانوں کو دھوکا دیتے ہیں، ماضی بعید کی چیزیں ہیں ۔سرمایہ داری مٹھی بھر "ترقی یافتہ" ملکوں کے ہاتھوں دنیا کی آبادی کی غالب اکثریت پر نوآبادیاتی ظلم اور مالیاتی طور پر گلا گھونٹنے کا عالمی نظام بن چکی ہے۔اور اس "مال غنیمت" کی تقسیم میں دو تین طاقتور عالمی لٹیرے (امریکہ، برطانیہ اور جاپان) حصہ دار ہیں جو سرتاپا مسلح ہیں اور اپنے مال غنیمت کی تقسیم کے لیے ساری دنیا کو اپنی جنگ میں کھینچ رہے ہیں۔

3

شاہ پرست جرمنی کے حکم پر کیے ہوئے معاہدہ بریست لیتو فسک نے (3) اور اس کے بعد اس سے کہیں زیادہ وحشیانہ اور کمینہ معاہدہ وارسائی (4) نے جو امریکہ اور فرانس کی "جمہوری" ریپبلکوں اور " آزاد" برطانیہ کے حکم سے کیا گیا، انسانیت کے لیے یہ انتہائی مفید خدمت انجام دی ہے کہ سامراج کے کرائے کے ٹٹو قلم چلانے والوں اور ان پیٹی فسٹس (pacifsts) اور سوشلسٹ کہتے ہیں،

جنہوں نے "ویلسن ازم "(5) کے قصیدے پڑھے اوراس بات پر اصرار کیا کہ سامراجی نظام کے تحت امن اوراصلاحات ممکن ہیں۔

جنگ میں کام آئے ہوئے اورلولے اپاہج کروڑوں لوگ (اس جنگ میں جو یہ فیصلہ کرنے کے لیے تھی کہ آیا مالیاتی لٹیروں کابرطانوی گروہ یا جرمن گروہ زیادہ تر لوٹ لے) اورپھر یہ دو" امن کے معاہدے " بے مثال تیزی سے ان کروڑہا لوگوں کی آنکھیں کھول رہے ہیں جو بورژوازی کے کچلے ہوئے، نظام، فریب زدہ اور بیوقوف بنائے ہوئے ہیں۔ اس طرح جنگ نے جو عالمی کھنڈر بنایا ہے اس کی بنیاد پر ساری دنیا میں ایک نازک انقلابی حالت پیدا ہورہی ہے، جس کی منزلیں چاہے جتنی طویل اورسخت کیوں نہ ہوں، پرولتاری انقلاب اوراس کی فتح کے سوا کسی اور طرح نہیں ختم ہوسکتی۔

دوسری انٹرنیشنل کا بازیل مینی فسٹو (6) جس نے 1912 میں اسی جنگ کا اندازہ پیش کیا جو 1914 میں چھڑی اورعام طور پر جنگ کا اندازہ نہیں دیا (جنگیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں، جن میں انقلابی جنگیں بھی شامل ہیں)، اب یہ مینی فسٹو ایسی یادگار بن گیا ہے جو دوسری انٹرنیشنل کے ہیروؤں کے شرمناک دیوالیہ پن اورغداری کا پردہ پوری طرح چاک کرتی ہے۔

اسی لیے میں اس مینی فسٹو کو موجودہ ایڈیشن کے ضمیمے کی حیثیت سے پیش کررہا ہوں (7) (اس ایڈیشن میں مینی فسٹو شائع نہیں ہے۔یہ اردو سیکشن میں موجود ہے۔)اور میں قاری سے باصرار اس طرف توجہ کرنے کے لیے کہتا ہوں کہ دوسری انٹرنیشنل کے ہیرو مینی فیسٹو کے حصوں سے جن میں اسی آنے والی جنگ اور پرولتاری انقلاب کے درمیان تعلق کا بالکل ٹھیک، صفائی اوروضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا اس

طرح بڑی احتیاط کے ساتھ کترا جاتے ہیں جیسے چور اپنے جرم کی جگہ سے کتراتا ہے۔

4

دنیا کے تمام ملکوں میں "انتہائی نمایاں نظریہ دانوں"، دوسری انٹرنیشنل (8) کے لیڈروں (اوٹو باوئیر اینڈ کمپنی آسٹریا میں، ریمزے میکڈانلڈ اور دوسرے برطانیہ میں، آلبیر ٹومس فرانس میں وغیرہ وغیرہ) اور کثیر تعداد سوشلسٹوں، اصلاح پسندوں، پیسی فسٹوں، بورژوا ڈیموکریٹوں اور پادریوں کے پیش کردہ بین اقوامی نظریاتی رجحان یعنی "کاؤتسکی ازم" یہ نظریاتی رجحان، ایک طرف دوسری انٹرنیشنل کے انتشار اور بوسیدگی کی پیداوار ہے اور دوسری طرف پیٹی بورژوازی کے نظریات کا لازمی نتیجہ ہے جس کو پورا طریقہ زندگی بورژوا اور جمہوری تعصبات کا غلام بناتا ہے۔

کاؤتسکی اور اس کی طرح کے لوگوں کے ایسے خیالات مارکس ازم کے انہیں انقلابی اصولوں کی مکمل تردید ہیں جن کا یہ ادیب دسیوں برسوں تک علمبردار رہا خصوصاً سوشلسٹ موقع پرستی (برنشٹائن، میلران، ہائنڈمان اور گومپیرس وغیرہ کی موقع پرستی) کے خلاف اپنی جدوجہد میں۔ اس لیے یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ اب ساری دنیا میں "کاؤتسکی کے پیرو" عملی اور سیاسی طور پر انتہائی موقع پرستوں کے ساتھ (دوسری یا پیلی انٹرنیشنل (9) کے ذریعہ) اور بورژوا حکومتوں کے ساتھ (بورژوا مخلوط حکومتوں کے ذریعہ جن میں سوشلسٹ شریک ہوتے ہیں) متحد ہو گئے ہیں۔

ترقی پذیر عالمی پرولتاری انقلابی تحریک عام طور پر اور کمیونسٹ تحریک خاص

طور پر " کاؤتسکی ازم " کی نظریاتی غلطیوں کا تجزیہ کیے بغیر اور ان کو فاش کیے بغیر نہیں رہ سکتیں ۔ یہ اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے کیونکہ پیسی فزم اور " جمہوریت " عام طور پر، جو مارکس ازم پر کسی طرح کا دعویٰ نہیں رکھتے لیکن جو کاؤتسکی اینڈ کمپنی کی طرح سامراج کے تضادات کی گہرائی اور اس ناگزیر انقلابی نازک حالت کو چھپا رہے ہیں جو سامراج کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ رجحانات ساری دنیا میں ابھی تک بہت پھیلے ہوئے ہیں۔ان رجحانات کے خلاف لڑنا پرولتاریہ کی پارٹی کا فرض ہے جس کے لیے بورژوازی سے ان چھوٹے ملکیت والوں کو جیتنا ضروری ہے جن کو بورژوازی بیوقوف بناتی ہے اور ان کروڑوں محنت کشوں کو بھی جیتنا ہے جو کم و بیش پیٹی بورژوا جیسی زندگی بسر کرتے ہیں۔

5

چند الفاظ باب ہشتم "سرمایہ داری کی مفت خوری اور بوسیدگی" کے بارے میں بھی کہنا چاہیے۔جیسا کہ کتاب میں کہا گیا ہے سابق "مارکسی "ہیلفر ڈنگ، جواب کاؤتسکی کے رفیق اور " جرمنی کی انڈپنڈنٹ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی "(10) میں بورژوا، اصلاح پرست پالیسی کے خاص علمبردار ہیں، اس سوال پر بمقابلہ انگریز ہوبسن کے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے ہیں جو کھلے ہوئے پیسی فسٹ اور اصلاح پرست ہیں ۔ اب پوری مزدور تحریک میں بین اقوامی تفریق بالکل عیاں ہے (دوسری اور تیسری انٹرنیشنل (11))۔ یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ دو رجحانوں کے درمیان اس وقت مسلح جدوجہد اور خانہ جنگی زوروں پر ہے ۔ روس میں بالشویکوں کے خلاف کولچاک اور دینکن کے لیے منشویکوں (12) اور "سوشلسٹ انقلابیوں " (13) حمایت ، جرمنی میں " اسپارٹاک "والوں (14) کے خلاف بورژوازی کے

ساتھ مل کر شیدید مان والوں اور نو سکے اینڈ کمپنی کی لڑائی ۔یہی صورت فن لینڈ ، پولینڈ اور ہنگری وغیرہ میں ہے۔اس عالمی تاریخی مظہر کی معاشی بنیاد کیا ہے؟

یہ سرمایہ داری کی مفت خوری اور بوسیدگی ہے جو اس کے ارتقا کی اعلیٰ ترین تاریخی منزل یعنی سامراج کا کردار ہے۔جیسا کہ یہ پمفلٹ دکھاتا ہے، سرمایہ داری نے اب مٹھی بھر (دنیا کی آبادی کے دسویں حصے سے کم، انتہائی "فیاضانہ" اور مبالغہ آمیز حساب سے پانچویں حصے سے کم) غیر معمولی طور پر امیر اور طاقتور ریاستوں کو چن لیا ہے جو ساری دنیا کو محض "چک کاٹ کر" لوٹ رہی ہیں۔جنگ سے قبل کی قیمتوں پر اور جنگ سے قبل کے بورژوا اعداد و شمار کے مطابق سرمائے کی برآمدوں سے سالانہ 8 سے 10 ارب فرانک تک کی آمدنی ہوتی ہے۔ اب ضرور ان کی آمدنی کہیں زیادہ ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ ایسے زبردست نفع در نفع سے (کیونکہ یہ اس نفع کے بھی اوپر حاصل کیا جاتا ہے جو سرمایہ دار "اپنے" ملک کے مزدور کو نچوڑ کر حاصل کیا کرتے ہیں)مزدور لیڈروں اور مزدور اشرافیہ کی اوپری تہہ کو رشوت دینا ممکن ہے اور "ترقی یافتہ" ملکوں کے سرمایہ دار یہی کر رہے ہیں۔وہ ان لوگوں کو ہزاروں مختلف طریقوں سے خریدتے ہیں، براہ راست اور بالواسطہ، کھل کر اور چھپ کر۔

بورژوازی جیسی مزدور یا "مزدور اشرافیہ" کی یہ تہہ، جو اپنے طریقۂ زندگی میں، اپنی کمائی کی مقدار میں اور اپنے سارے خیالات میں بہت تنگ نظر ہوتی ہے، دوسری انٹرنیشنل کا خاص سہارا ہے اور ہمارے زمانے میں بورژوازی کا خاص سماجی (فوجی نہیں) سہارا ہے۔ کیونکہ وہ مزدور تحریک میں بورژوازی کے اصلی ایجنٹ ہیں، سرمایہ دار طبقے کے مزدور خادم (labour lieutenants of the

capitalist class) اور اصلاح پرستی اور شاونزم کی حقیقی آلہ کار ہیں۔
پرولتاریہ اور بورژوازی کے درمیان خانہ جنگی میں وہ لازمی طور پر، بڑی تعداد میں، بورژوازی کی، "کمیناروں "کے خلاف "وارسائی والوں "(15) کی طرف داری کرتے ہیں۔

جب تک اس مظہر کی معاشی جڑوں کو نہ سمجھا جائے اور اس کی سیاسی اور سماجی اہمیت کا ندازہ نہ لگایا جائے کمیونسٹ تحریک اور ہونے والے سماجی انقلاب کے عملی مسئلوں کے حل کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکتا۔

سامراج، پرلتاریہ کے سماجی انقلاب کی چوکھٹ ہے۔اس کی تصدیق 1917 سے عالمی پیانے پر ہورہی ہے۔

ن۔لینن

6 جولائی، 1920

پچھلے پندرہ بیس سال میں خصوصاً ہسپانوی۔امریکی جنگ (1898) اور برطانوی۔بوئیر جنگ (1899-1902) (14) کے بعد دنیا کے دونوں نیم کرہ ہائے ارض کے معاشی اور سیاسی ادب میں بھی موجودہ دور کو بیان کرنے لے لیے اکثر "امپیریلزم " (سامراج) کا لفظ استعمال ہونے لگا ہے۔1902 میں انگریز ماہر معیشت ج۔ا۔ہوبسن کی کتاب "امپیریلزم "لندن اور نیو یارک میں شائع ہوئی۔یہ مصنف جس کا نقطہ نظر بورژوا سماجی اصلاح پرستی اور پیسی فزم ہے جو اپنے مافیہ کے لحاظ سے سابق مارکس وادی کارل کاؤتسکی کے موجودہ نقطہ نظر سے مطابقت رکھتا ہے، سامراج کی نمایاں معاشی اور سیاسی خصوصیات کو بہت اچھے اور منفصل

طریقے سے بیان کرتا ہے۔ 1910 میں آسٹریائی مارکس وادی روڈولف ہیلفر ڈنگ کی کتاب "مالیاتی سرمایہ "وی آنا میں شائع ہوئی (روسی ایڈیشن: ماسکو، 1912)۔ اس غلطی کے باوجود جو مصنف نے پیسے کی تھیوری کے بارے میں کی ہے اور اس کے اس رجحان کے باوجود کہ مارکس ازم کا موقع پرستی سے سمجھوتہ ہو جائے اس تصنیف میں "سرمایہ داری کے ارتقا کے جدید ترین دور " (جیسا کہ ہیلفر ڈنگ کی کتاب کا تحتی عنوان ہے) کا بہت ہی قیمتی نظریاتی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ درحقیقت سامراج کے بارے میں پچھلے چند سال میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ خصوصاً اس سوال پر کثیر تعداد رسالوں اور اخباروں کے مضامین میں اور قراردادوں میں بھی مثلاً کیمنیتس (16) اور بازیل کانگرسوں میں جو 1912 کی خزاں میں ہوئیں۔ وہ مشکل سے ان خیالات کے دائرے سے آگے گیا ہے جو متذکرہ دو ادیبوں نے پیش کئے یا یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اخذ کئے ہیں۔

ہم بعد میں مختصر اور امکانی طور پر سادہ طریقے سے سامراج کی خاص معاشی خصوصیتوں کے درمیان رابطہ اور باہمی تعلقات دکھانے کی کوشش کریں گے۔ ہم اس سوال کے غیر معاشی پہلو کو نہیں دکھا سکیں گے حالانکہ وہ ہمارے لئے بہت کارآمد ہوتا۔ کتابوں کے حوالے اور دوسرے نوٹ جو شاید تمام قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث نہ ہوں پمفلٹ کے آخر میں دئے گئے ہیں۔

1۔ پیداوار کا ارتکاز اور اجارے داریاں

صنعت کی زبردست نشو و نما اور برابر بڑھتے ہوئے بڑے بڑے کارخانوں میں پیداوار کا نمایاں اور تیز ارتکاز سرمایہ داری کی ایک بہت اہم خصوصیت ہے۔ موجودہ پیداوار کے اعداد و شمار اس عمل کے بارے میں انتہائی مکمل اور صحیح معلومات

فراہم کرتے ہیں۔

مثلاً جرمنی میں ہر ایک ہزار صنعتی کارخانوں میں بڑے کارخانوں کی یعنی جہاں 50 سے زیادہ اجرتی مزدور کام کرتے تھے، 1882 میں تین، 1895 میں 6 اور 1970 میں 9 تھی اور ہر 100 مزدوروں میں سے اس قسم کے کارخانوں میں بالترتیب 22، 30 اور 37 مزدور کام کرتے تھے۔ بہر حال پیداوار کا ارتکاز مزدوروں کے ارتکاز سے کہیں زیادہ شدید ہوتا ہے کیونکہ بڑے کارخانواں میں محنت زیادہ پیداوار دیتی ہے۔ یہ بات دخانی انجنوں اور برقی موٹروں کے اعداد سے ظاہر ہوتی۔ اگر ہم اس بات کو لیں جو جرمنی میں وسیع معنوں میں صنعت کہلاتی ہے یعنی تجارت اور ٹرانسپورٹ وغیرہ کو ملا کر تو ہمیں یہ تصویر ملتی ہے۔ بڑے کارخانے 30588، کل 3265623 میں سے یعنی 9. فیصدی۔ کل ایک کروڑ 44 لاکھ مزدوروں میں سے ان کارخانوں میں 57 لاکھ مزدور ہیں، یعنی 4ء39 فیصدی۔ یہ کل 88 لاکھ ہارس پاور میں سے 66 لاکھ دخانی ہارس پاور استعمال کرتے ہیں یعنی 3ء75 فیصدی اور کل 15 لاکھ کلوواٹ بجلی میں سے 12 لاکھ کلوواٹ بجلی استعمال کرتے ہیں یعنی 2ء77 فیصدی۔

کل کارخانوں کے سویں حصے سے بھی کم کارخانے، بھاپ اور برقی قوت کی مجموعی طاقت کا تین چوتھائی سے زیادہ حصہ استعمال کرتے ہیں! 29 لاکھ 70 ہزار چھوٹے کارخانے جن میں پانچ تک اجرتی مزدور کام کرتے ہیں اور جو کل کارخانوں کے 91 فیصدی ہیں وہ ساری بھاپ اور بجلی کی طاقت کا صرف 7 فیصدی استعمال کرتے ہیں! ہزاروں بڑے کارخانے سب کچھ ہیں اور لاکھوں چھوٹے کارخانے کچھ بھی نہیں ہیں۔

1907 میں جرمنی میں 586 ادارے ایسے تھے جن میں ایک ہزار اور اس سے زیادہ مزدور کام کرتے تھے۔ان میں مجموعی طور پر کام کرنے مزدوروں کا تقریباً دسواں حصہ (13 لاکھ 80 ہزار) تھا اور وہ بھاپ اور بجلی کی مجموعی طاقت کا تقریباً ایک تہائی (32 فیصدی) استعمال کرتے تھے۔(یہ اعداد و شمار جرمن ریاست کے سالانہ وقائع سے لئے گئے ہیں Annalen des deutschen Rrichd,1911,Zahn.)۔جیسا کہ ہم دیکھیں گے پیسے والا سرمایہ اور بینک سب سے بڑے مٹھی بھر کارخانوں کی اس برتری کو اور بھی زبردست بنا دیتے ہیں۔ واقعی لفظی معنی میں زبردست یعنی لاکھوں چھوٹے،متوسط اور بعض بڑے "کارخانے دار" بھی واقعتاً چند سو سرمایہ فراہم کرنے والے کروڑپتیوں کے غلام ہو جاتے ہیں۔

موجودہ سرمایہ داری کے ایک اور ترقی یافتہ ملک ریاستہائے متحدہ امریکہ میں پیداوار کے ارتکاز میں اضافہ اور بھی زیادہ ہے۔یہاں اعداد و شمار صنعت کو اس لفظ کے محدود معنی میں الگ الگ لیتے ہیں اور کارخانوں کی سالانہ پیداوار کی قدر کے مطابق ان کی درجہ بندی کرتے ہیں۔1904 میں بڑے پیانے کے کارخانوں کی تعداد (ہر کارخانے کی پیداوار کی قدر دس لاکھ ڈالر یا اس سے زیادہ تھی)1900 تھی (کل 216180 میں سے یعنی 9 فیصدی)۔ان میں 14 لاکھ مزدور کام کرتے تھے (55 لاکھ میں سے،یعنی 6ء25 فیصدی) اوران کی پیداوار کی قدر 5 ارب 60 کروڑ ڈالر تھی (کل 14 ارب 80 کروڑ ڈالر میں سے یعنی 38 فیصدی)۔پانچ سال بعد 19909 میں یہی اعداد و شمار بالترتیب یہ تھے 3060 کارخانے (268491 میں سے یعنی 1ء1 فیصدی) جن میں 60 لاکھ مزدور کام کرتے تھے 66 لاکھ میں سے یعنی 5ء30 فیصدی) اور جن کی پیداوار کی

قدر 9 ارب ڈالر تھی (20 ارب 70 کروڑ ڈالر میں سے، یعنی 43.8 فیصدی)
(Statistical Abstract of the United States 1912, p 202)

ملک کے تمام کارخانوں کی تقریباً نصف مجموعی پیداوار ان کارخانوں کا سواں حصہ دیتا تھا۔ یہ تین ہزار زبردست کارخانے صنعت کی 258 شاخوں میں پھیلے تھے۔اس سے دیکھا جا سکتا ہے کہ اپنی ارتقا کی ایک معین منزل پر ارتکاز خود براہ راست اجارے داری کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ چند درجن بڑے بڑے کارخانے آسانی سے سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔اور دوسری طرف مقابلے میں رکاوٹ، اجارے داری کی طرف رجحان، کارخانوں کے بہت بڑے ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔مقابلے کی اجارے داری میں یہ تبدیلی اگر انتہائی اہم نہیں تو موجودہ سرمایہ دارانہ معیشت کا ایک انتہائی اہم مظہر ضرور ہے اور ہمیں اس پر مفصل بحث کرنا چاہئے۔لیکن پہلے ہمیں ایک
امکانی غلط فہمی کی صفائی کر دینا چاہئے۔

امریکی اعداد و شمار صنعت کی 250 شاخوں میں تین ہزار زبردست کارخانوں کا ذکر کرتے ہیں جیسے صنعت کی ہر شاخ میں انتہائی بڑے پیانے کے صرف ایک درجن کارخانے ہوں۔

لیکن صورت حال یہ نہیں ہے۔ صنعت کی ہر شاخ میں بڑے پیانے کے کارخانے نہیں ہیں اور اس کے علاوہ سرمایہ داری کا اپنے ارتقا کی اعلیٰ منزل میں ایک بہت ہی اہم کردار نام نہاد اتحاد ہے یعنی صنعت کی مختلف شاخوں کی ایک کارخانے میں گروپ بندی جو یا تو خام اشیاء کی تیاری کی مسلسل منزلوں کی نمائندگی کرتی

ہیں (مثلاً دھات کو پگھلا کر کچا لوہا تیار کرنا اور کچے لوہے کو فولاد میں تبدیل کرنا اور پھر شائد فولاد کی چیزیں تیار کرنا) یا ایک دوسرے کی معاون ہوتی ہیں (مثلاً فضلہ یا ضمنی پیدا رکا کارآمد استعمال، پیک کرنے کے سامان کی تیاری وغیرہ)۔

ہیلفر ڈنگ نے لکھا ہے کہ "اتحاد تجارت کے اتار چڑھاؤ کو ہموار کرتا ہے اور اس لئے متحدہ کارخانوں کو زیادہ مستقل شرح منافع کی ضمانت دیتا ہے۔ دوسرے اتحاد تجارت کو ختم کر دیتا ہے۔ تیسرے یہ ٹکنیکی ترقی کا امکان فراہم کرتا ہے اور اس لئے نفع درنفع کے حصول کا جو "خاص" (یعنی غیر متحد) کارخانوں کے نفع سے زیادہ ہوتا ہے۔ چوتھے، یہ "خاص" کارخانوں کی بہ نسبت متحدہ کارخانوں کی پوزیشن کو مضبوط کرتا ہے سنگین معاشی سرد بازاری (کاروبار میں سرد بازاری، بحران) کے دوران مقابلے کی جدوجہد میں ان کو مضبوط کرتا ہے جب کہ خام اشیاء کی قیمتوں کی گراوٹ تیار شدہ سامان کی قیمتوں کی گراوٹ کے مقابلے میں زیادہ سست ہوتی ہے۔(ہیلفر ڈنگ ''مالیاتی سرمایہ''۔ روسی ایڈیشن، صفحات 286 تا 287)

جرمن بورژوا ماہر معاشیات ہیمان جس نے جرمن لوہے کی صنعت میں "مخلوط" یعنی متحدہ کارخانوں پر ایک خاص کتاب لکھی ہے، کہتا ہے "خاص کارخانے تباہ ہو جاتے ہیں، وہ خام اشیاء کی اونچی قیمتوں اور تیار شدہ سامان کی نیچی قیمتوں کی وجہ سے کچل جاتے ہیں"۔ اس طرح ہمیں ذیل کی تصویر ملتی ہے۔

"ایک طرف بڑی بڑی کوئلے کی کمپنیاں باقی رہ گئی ہیں جو سالانہ لاکھوں ٹن کوئلہ نکالتی ہیں اور اپنے کوئلے کے سینڈیکیٹوں میں مضبوطی سے منظم ہوتی ہیں اور دوسری طرف بڑے بڑے فولاد کے کارخانے ہیں جو کوئلے کی کمپنیوں سے اچھی طرح متحدہ ہیں اور جن کے اپنے فولاد کے سینڈیکیٹ ہیں۔ یہ دیو پیکر کارخانے جو سالانہ چار

لاکھ ٹن فولاد بناتے ہیں خام دھات اور کوئلہ زبر ست مقدار میں نکالتے ہیں اور فولاد کی چیزیں تیار کرتے ہیں جن میں 10 ہزار مزدور کام کرتے ہیں اور کمپنی کے مکانوں میں رہتے ہیں جن کی کبھی کبھی اپنی ریلوے اور بندر گاہیں ہوتی ہیں، جرمن لوہے اور فولاد کی صنعت کے مثالی نمائندے ہیں۔ اور ارتکاز بڑھتا جاتا ہے۔ انفرادی کارخانے اور بڑے ہوتے جاتے ہیں۔ کارخانوں کی برابر بڑھتی ہوئی تعداد کسی ایک یا کئی مختلف صنعتوں میں ایک دوسرے سے مل کر دیو پیکر کارخانے بناتی ہے، جن کی حمایت وہدایت برلن کے آدھے درجن بڑے بینک کرتے ہیں۔ جرمن کان کنی کی صنعت میں ارتکاز کے بارے میں کارل مارکس کی تعلیم کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ اس ملک کے لئے ہے جہاں حفاظتی محصولوں اور باربرداری کے کرائے سے صنعت کا بچاؤ کیا جاتا ہے۔ جرمن کان کنی کی صنعت اس کے لئے بالکل پختہ ہو چکی ہے کہ اس کو ضبط کرلیا جائے۔

Hans Gideon Heymann.Die gemischten)
Werke im deutschen Grobeisengewerbe.
278_279)256,Stuttgart,1904 (ss.

ہانس گدیون ہیمان "جرمن فولاد کی بڑی صنعت میں مخلوط کارخانے"
اشٹوٹگارٹ، 1904 (صفحات 278-279;256)۔ایڈیٹر)

یہ ہے وہ نتیجہ جو ایک بورژوا ماہر معاشیات کو اخذ کرنا چاہیے تھا جو ایماندار ہونے کے لحاظ سے ایک استثنٰی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ جرمنی کو ایک خاص درجے میں رکھتا ہے کیونکہ اس کی صنعتوں کا بچاؤ اونچے حفاظتی محصولوں سے کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ایسی صورت ہے جو صرف ارتکاز اور کارخانے والوں کی اجارے دار

انجمنوں، کارٹیلوں اور سینڈیکیٹوں وغیرہ کی تشکیل کو تیز کرسکتی تھی۔ اس بات کی طرف توجہ کرنا بھی بہت اہم ہے کہ آزاد تجارت والے برطانیہ میں بھی ارتکاز اجارے داری کی طرف لے جاتا ہے، حالانکہ ذرا دیر میں اور شائد دوسری صورت میں۔ پروفیسر گیرمان لیوی نے اپنی مخصوص تحقیقاتی تصنیف میں جس کا نام "اجارے داریاں، کارٹیل اور ٹرسٹ "ہے اور جو برطانوی معاشی ترقی کی معلو مات پر مبنی ہے، یہ لکھا ہے۔

"برطانیہ میں کارخانوں کا بڑا سائز اور ان کی اعلی ٹکنیکی سطح اجارہ دارانہ رجحان رکھتے ہیں۔ ایک طرف ارتکاز کا یہ نتیجہ ہے کہ ہر کارخانے میں زبردست سرمایہ لگانا پڑتا ہے جو نئے کارخانوں کے لئے ضروری سرمائے کی مقدار کا برابر بڑھتا ہوا مطالبہ پیدا کرتا ہے اور اس طرح ان کے قیام کو زیادہ مشکل بناتا ہے۔ اور دوسری طرف (ہمیں یہ بات زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے) ہر اس نئے کارخانے کو جو ان دیو پیکر کارخانوں کے برابر معیار رکھنا چاہتا ہے جن کی تشکیل ارتکاز سے ہوئی ہے فاضل سامان کی ایسی زبردست مقدار پیدا کرنا چاہئے کہ وہ اس کو مانگ کے زبردست اضافے کے نتیجے میں ہی منافع کے ساتھ فروخت کرسکے ورنہ یہ فاضل سامان قیمتوں کو ایسی سطح تک گرا دے گا جو نئے کارخانے اور اجارے دارانہ اتحادوں دونوں کے لئے غیر نفع بخش ہوگی "برطانیہ ان ملکوں سے اس طرح مختلف ہے، جہاں حفاظتی محصول کارٹیل بنانے میں آسانی پیدا کرتے ہیں، کہ اس میں کارخانے والوں کی اجارے دار انجمنیں، کارٹیل اور ٹرسٹ اکثر صرف ان صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں جب کہ مقابلہ کرنے والے بڑے کارخانوں کی تعداد گھٹ کر " ایک یا دو درجن رہ جاتی ہے "بڑی صنعت میں اجارے داریوں کی تشکیل پر ارتکاز کا اثر بہت

ہی صاف نظر آتا ہے۔"

Hermann Levy.Martelle und Trusts.Jena,1909,ss.286,290,298.

(گیرمن لیوی ''اجارے داریاں، کارٹیل اور ٹرسٹ ''ائی نا، 1909 صفحات 298,290,286۔ایڈیٹر)

نصف صدی ہوئے جب مارکس "سرمایہ" لکھ رہے تھے ماہرین معاشیات کی غالب اکثریت کے لئے آزاد مقابلہ ایک "قدرتی قانون" معلوم ہوتا تھا۔ سرکاری سائنس نے خاموش سازش کے ذریعہ مارکس کی اس تصنیف کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی جنھوں نے سرمایہ داری کا نظریاتی اور تاریخی تجزیہ کرکے یہ ثابت کیا تھا کہ آزاد مقابلہ پیداوار کا ارتکاز پیدا کرتا ہے جو اپنے ارتقا کی ایک معین منزل پر اجارے داری کی طرف لے جاتا ہے آج اجارے داری واقعہ بن چکی ہے۔ ماہرین معاشیات نے کتابوں کے ڈھیر لگا دئے ہیں جن میں انہوں نے اجارے داری کے مختلف مظاہر کا اعلان کیا ہے اور یک زبان یہ اعلان کر رہے ہیں کہ "مارکس ازم کی تردید ہو چکی ہے" لیکن واقعات تو بہت اٹل ہوتے ہیں خواہ ہم اسے پسند کریں یا نہ کریں۔حقائق بتاتے ہیں کہ الگ الگ سرمایہ دار ملکوں کے درمیان فرق مثلاً حفاظتی محصولوں یا آزاد تجارت کی پالیسی میں فرق کی وجہ سے اجارے داریوں کی صورتوں یا ان کے ظہور کے وقت صرف بہت ہی معمولی سا فرق ہوتا ہے اور یہ عام طور پر پیداوار کے ارتکاز کے نتیجے میں اجارے داریوں کا پیدا ہونا سرمایہ دارانہ نظام کی موجودہ منزل ارتقا میں ایک عام اور بنیادی قانون ہے۔

یورپ کے لئے اس وقت کا تعین کافی ٹھیک کیا جا سکتا ہے جب نئے

سرمایہ دار نظام نے مختتم طور پر پرانے پر قبضہ جمایا۔ یہ بیسویں صدی کی ابتدا میں ہوا۔ہم "اجارے داریوں کی تشکیل " کی تاریخ کے ایک تازہ ترین مجموعے میں پڑھتے ہیں۔

1860 سے قبل کے دور میں سرمایہ دارنہ اجارے داریوں کی اکادکا مثالیں دی جاسکتی ہیں ۔ان میں صورتوں کا بیج دیکھا جاسکتا ہے جو آج کل عام ہیں۔لیکن یہ سب بلاشبہ کارٹیلوں سے قبل کی تاریخ کی نمائندگی کرتا ہے۔موجودہ اجارے داریوں کی ابتداء سب سے پہلے انیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں ملتی ہے۔ اجارے داریوں کے ارتقا کا پہلا اہم دور آٹھویں دہائی کے بین الاقوامی صنعتی بحران سے شروع ہوا اور دسویں دہائی کی ابتدا تک رہا۔" اگر اس سوال کا جائزہ یورپی پیانے پر لیں تو ہم دیکھیں گے کہ آزاد مقابلہ ساتویں اور آٹھویں دہائی میں اپنے عروج پر پہنچ گیا۔اسی وقت برطانیہ نے اپنی پرانی اسٹائل کی سرمایہ دار تنظیم کی تعمیر مکمل کی ۔جرمنی میں اس تنظیم نے دستکاری اور گھریلو صنعت سے سخت جدوجہد کی اور اپنے وجود کی صورتیں خود بنانا شروع کیں"۔

" عظیم انقلاب 1873 کی تباہی یا اس سرد بازاری سے شروع ہوا جو اس کے بعد آئی اور جو 9ویں دہائی کی ابتدا میں مشکل سے نظر آنے والے وقفے کے ساتھ اور تقریباً 1889 میں غیر معمولی طور پر شدید لیکن مختصر ابھار کے ساتھ یورپ کی معاشی تاریخ کے 22 برسوں کی نشان دہی کرتی ہے۔" 1889-90 کے مختصر ابھار کے دوران سازگار کاروباری حالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے کارٹیلوں کے نظام کو وسیع پیانے پر اختیار کیا گیا۔ایک نامعقول پالیسی کی وجہ سے قیمتیں کارٹیل نہ ہونے کی صورت کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے اور زیادہ اونچی چڑھ گئیں اور تقریباً یہ

سب کارٹیل بری طرح تباہی کا شکار ہو گئے۔ اس کے بعد خراب کاروبار اور نیچی قیمتوں کا ایک اور پنج سالہ دور آیا۔لیکن صنعت میں ایک نئ جان آئی ۔سرد بازاری کو اب مسلمہ نہیں خیال کیا جانے لگا اس کو دوسرے ابھار سے پہلے وقفے کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا گیا۔

" کارٹیل کی تحریک اپنے دوسرے دور میں داخل ہوئی۔ایک عبوری مظہر ہونے کے بجائے کارٹیل پوری معاشی زندگی کی ایک بنیاد بن گئے ہیں۔وہ صنعت کے میدان یکے بعد دیگرے جیت رہے ہیں اور سب سے پہلے خام اشیا کی تیاری کی صنعت کو۔ دسویں دہائی کی ابتدا میں کارٹیل سسٹم کوک سینڈیکیٹ کی تنظیم میں جس کے نمونے پر بعد کوکوئلے کے سینڈیکیٹ کی تنظیم تشکیل ہوئی، ایسی کارٹیل ٹکنیک حاصل کر چکا تھا جس کو ابھی تک مشکل سے بہتر بنایا جا سکا ہے۔پہلی مرتبہ انیسویں صدی کے آخر میں عظیم گرم بازاری اور 1900-1903 میں بحران مکمل طور پر (کم ازکم کان کنی اور لوہے کی صنعتوں میں) کارٹیلوں کے تحت آیا اور جب کہ اس وقت یہ بات کچھ انوکھی سی معلوم ہوئی، اب عام پبلک اس کو مسلمہ بات سمجھتی ہے کہ معاشی زندگی کے بڑے حلقے عام طور پر آزاد مقابلے کے دائرے سے نکال لئے گئے ہیں۔

(Th. ogelstein. Die finanzielle Organisation der kapitalistischen Industrie und die Monopolbildungen' in Grundriss der Sozialokonomic, VI. Abt., Tubingen, 1914. Cf., also by th esame author: Organisations for men

der Eisenindustrie und Textillindustrie in England und America.)

اس طرح اجارے داریوں کی تاریخ کی خاص منزلیں یہ ہیں:

1۔ 1860-1870__ آزاد مقابلے کی ترقی کا سب سے زیادہ عروج اور اعلیٰ ترین منزل۔اجارہ داریاں مشکل سے قابل شناخت ابتدائی منزل میں۔

2۔ 1873 کے بحران کے بعد کارٹیلوں کے ارتقا کا وسیع پھیلاؤ لیکن وہ پھر بھی استثنیٰ ہیں اور پائیدار نہیں ہیں۔وہ اب تک ایک عبوری مظہر ہیں۔

3۔ انیسویں صدی کے آخر میں گرم بازاری اور 1900 سے لے کر 1903 کا بحران۔کارٹیل پوری معاشی زندگی کی ایک بنیاد بن گئے۔سرمایہ دار نظام سامراجی نظام میں تبدیل ہوگیا۔

کارٹیل فروخت کی شرائط اور ادائیگی کی تاریخوں وغیرہ کے بارے میں سمجھوتہ کرتے ہیں۔وہ منڈیوں کو اپنے درمیان تقسیم کرلیتے ہیں۔وہ تیار کئے جانے والے سامان کی مقدار مقرر کرتے ہیں۔وہ قیمتیں مقرر کرتے ہیں۔وہ مختلف کارخانوں کے درمیان نفع تقسیم کرلیتے ہیں،وغیرہ وغیرہ۔

جرمنی میں کارٹیلوں کی تخمینی تعداد 1869 میں 250 اور 1905 میں 385 تھی جن میں تقریباً 12 ہزار فرمیں شریک تھیں۔

(Dr Riesser, Die deutschen grossbanken und thre Konzentration im Zusammenhange mit der Entwickiung der Grasmatwirtschaft in Deutschland, 4. Aufl., s. 149; Robert Liefmann,

Kartelle und Trusts und die Weiterbildung der volkswirstschaftlichen Organisation, 2. Aufl., 1910. s. 25.

لیکن یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس تعداد کا اندازہ کم تھا۔ 1907 کی جرمن صنعت کے لئے جن اعداد و شمار کا ہم حوالہ دے چکے ہیں ان سے واضح ہے کہ ان 12 ہزار بڑے بڑے کارخانوں میں غالباً ملک کی آدھی سے زیادہ دخانی اور برقی قوت مرکوز ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں 1900 میں ٹرسٹوں کی تعداد کا تخمینہ 185 اور 1907 میں 250 لگایا گیا تھا۔ امریکی اعداد و شمار تمام صنعتی کارخانوں کو انفرادی، فرموں اور کارپوریشنوں کے کارخانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ موخر الذکر کے تحت 1904 میں 23.6 فیصدی اور 1909 میں 25.9 فیصدی کارخانے تھے یعنی ملک کے تمام صنعتی کارخانوں کے ایک چوتھائی حصے سے زیادہ۔ ان میں 1904 میں 70.6 فیصدی اور 1909 میں 75.6 فیصدی مزدور کام کرتے تھے یعنی مزدوروں کی کل تعداد کی تین چوتھائی۔ ان کے پیداوار بالترتیب 10 ارب 90 کروڑ ڈالر اور 16 ارب 30 کروڑ ڈالر تھی یعنی کل رقم کی 73.7 فیصدی اور 79 فیصدی۔

اکثر، کارٹیلوں اور ٹرسٹیوں کے ہاتھ میں صنعت کی کسی شاخ کی مجموعی پیداوار کا 70-80 فیصدی حصہ مرکوز ہوتا ہے۔ کوئلے کے رائن ویسٹ فالین سینڈیکیٹ نے 1893 میں اپنی تشکیل کے وقت اس علاقے میں کوئلے کی مجموعی پیداوار کا 86.7 فیصدی حصہ سمیٹ لیا تھا اور 1910 میں وہ اس کا 95.4 فیصدی حصہ سمیٹ چکا تھا۔

Dr Fritz Kestner, Der Organisationszwang, Eine Untersuchung uber die Kampfe zwischenKartellen und Ausseneitern, Berlin.

اس طرح سے پیدا ہونے والی اجارہ داری زبردست منافع کی ضمانت دیتی ہےاور بہت ہی بڑے بڑے تکنیکی پیداواری یونٹوں کی تشکیل میں مدد دیتی ہے۔

مشہور "سٹینڈرڈ آئیل کمپنی" Standard Oil Company کی بنیاد 1900 میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں رکھی گئی تھی۔ "اس کا منظور شدہ سرمایہ 19 کروڑ ڈالر تھا۔اس نے دس کروڑ ڈالر کے عام حصےاور دس کروڑ ڈالے کے ترجیحی حصے جاری کیے۔ 1900 سے 1907 تک موخرالذکر پر ذیل کا نفع تقسیم کیا گیا۔ 48, 48, 45, 44, 36, 40, 40, 40فیصدی بالترتیب برسوں میں یعنی مجموعی طور پر 36 کروڑ70 لاکھ ڈالر۔ 1882 سے 1907 تک مجموعی خالص نفع میں سے جو 88 کروڑ 90لاکھ ڈالر تھا 60 کروڑ 60لاکھ ڈالر بطور نفع تقسیم کیے گئےاور باقی محفوظ سرمائے میں چلے گئے۔

R. Liefmann, Beteilingungs_ und Finan zierungsgesllschaften

1907 میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے فولاد کارپوریشن United States Steel Corporationکے سب کارخانوں میں 21080مزدوروں اور ملازمتوں سے کم نہیں کام کرتے تھے۔جرمنی کا کان کنی کی صنعت کے سب سے بڑے کارخانے یعنی ہیلڈ ین کیرہین کی کان کنی کی انجمن (Gelsenkirchener Bergwerksgesellschaft) میں

1908 میں مزدوروں اور دفتری ملازموں کا عملہ 46048 افراد پر مشتمل تھا۔

Ibid. page 218

1902 میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے فولاد کارپوریشن نے 90 لاکھ ٹن فولاد پیدا کیا تھا

Dr S Tschierschky, Kartell und Trust, Gottingen, 1903, S 13.

1901 میں اس کے پیداوار ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی فولاد کی مجموعی پیداوار کی 66.3 فیصدی اور 1908 میں 56.1 فیصد تھی۔ .Th

Vogelstein, Organisations for men اوران برسوں کے لئے خام دھات کی پیداوار بالترتیب 43.9 فی صد اور 46.3 فی صد تھی۔

ٹرسٹوں سے متعلق امریکی سرکاری کمیشن کی رپورٹ میں کہا گیا ہے: "مقابلہ کرنے والوں پر ان کی برتری کی وجہ ان کے کارخانوں کی زبردست وسعت اوران کا بہترین تکنیکی سازوسامان ہے۔ اپنے قیام سے ہی تمباکو ٹرسٹ کی تمام تر کوششیں یہ رہی ہیں کہ جسمانی محنت کی جگہ ہمہ گیر مشینی محنت لے۔ اس مقصد سے اس نے وہ تمام پیٹنٹ خرید لئے جن کا کوئی بھی تعلق تمباکو بنانے سے ہوسکتا تھا اور اس مقصد کے لئے بڑی رقمیں خرچ کیں۔ ان میں سے بہت سے پیٹنٹ تو ابتداء میں بے کار ثابت ہوئے اور ٹرسٹ کے انجینئروں کو ان میں تبدیلیاں کرنے پڑیں۔ 1906 کے آخر میں محض پیٹنٹوں کو خریدنے کے لئے دو تحتی کمپنیاں بنائی گئیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر ٹرسٹ نے ڈھلائی، مشینوں اور مرمت کے اپنے شاپ قائم کئے۔ ان میں سے ایک ادارہ جو بروک لین میں ہے، اوسطاً 300 مزدور کام کے

لئے لیتا ہے۔ یہاں سگریٹ، چھوٹے سگار، نسوار، پیک کرنے کے لئے ٹین کی پنی اور بکس وغیرہ بنانے سے متعلق ایجادوں کے تجربے کئے جاتے ہیں۔ یہاں ایجادوں کو مکمل بھی کیا جاتا ہے۔"

Report of the Commissioner of Corporations on the Tobacco Industry, Washington, 1909, p. 266, cited according to Dr. Paul Tafel, Die nordamerikanischen Trusts und ihre Wirkungen auf den fortschritt der Technik, Stuttgart, 1913, s. 48.

"دوسرے ٹرسٹ بھی ایسے لوگ ملازم رکھتے ہیں جو ترقیاتی انجینئر (Developing Engineers) کہلاتے ہیں اور جن کا کام پیداوار کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنا اور تکنیکی ترقی کی جانچ کرنا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا فولاد کارپوریشن اپنے انجینئروں اور مزدوروں کو ان ایجادوں کے لئے بڑے بڑے بونس دیتا ہے جو تکنیکی کارکردگی بڑھاتی ہیں یا پیداوار کی لاگت میں کمی کرتی ہیں۔

ایضاً، صفحات 48-49

"بڑے پیمانے کی جرمن صنعت میں، مثلاً کیمیائی صنعت میں، جس نے ان پچھلی چند دہائیوں میں اتنی زبردست ترقی کی ہے، تکنیکی ترقی کو بھی اسی طرح منظم کیا جاتا ہے۔ 1908 میں ہی پیداوار کے ارتکاز سے اس صنعت میں دو خاص "گروپ" پیدا ہوئے جو اپنے طریقے پر اجارہ داریوں کی نوعیت رکھتے تھے۔

ابتداء میں یہ گروپ بڑی فیکٹریوں کے دو جوڑوں کے "دوہرے اتحادوں" پر مشتمل تھے جن میں سے ہر ایک فیکٹری کا سرمایہ دو کروڑ مارک سے دو کروڑ دس لاکھ مارک تک تھا۔ ایک طرف، ہوخست میں سابق میئسٹر فیکٹری اور فرینک فورٹ بر مائین میں کاسیلے فیکٹری اور دوسری طرف، لیوڈویگسھافین میں انیلین او رسوڈ افیکٹری اور ایلبیر فیلڈ میں سابق بائیر فیکٹری۔ پھر 1905 میں ان میں سے ایک گروپ نے اور 1908 میں دوسرے گروپ نے الگ الگ کسی بڑی فیکٹری سے معاہدے کئے۔ اس کا نتیجہ دو "اتحاد ثلاثہ" ہوئے جن میں سے ہر ایک کا سرمایہ چار سے پانچ کروڑ مارک تک تھا۔ اوران" اتحادوں" نے ایک دوسرے کے "قریب" ہونا شروع کر دیا ہے تا کہ قیمتوں وغیرہ کے بارے میں وہ کوئی " سمجھوتہ" کر سکیں۔(Riesser،متذکرہ کتاب،تیسرا ایڈیشن، صفحہ 547۔ اخباروں (جون 1916) نے ایک نئے بہت زبردست ٹرسٹ کی تشکیل کی اطلاع دی ہے جو جرمنی کی کیمیائی صنعت کو متحد کرتا ہے)

مقابلہ اجارے داری میں بدل جاتا ہے۔اس سے پیداوار کی سماج کاری (Socialisation) میں زبردست ترقی ہوتی ہے۔ خصوصاً تکنیکی ایجادوں اور ترقیوں کا عمل سماجی بن جاتا ہے۔

یہ کارخانے داروں کے درمیان پرانے آزاد مقابلے سے بالکل مختلف ہے جو بکھرے ہوئے اورایک دوسرے سے بے تعلق ہوتے اور ایک انجانی منڈی کے لئے مصنوعات تیار کرتے تھے۔ ارتکاز ایسے نقطے پر پہنچ گیا ہے جس پر کسی ملک کی اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے، کئی ملکوں کی یا ساری دنیا کی خام اشیاء کے تمام وسائل کا تقریباً تخمینہ لگانا ممکن ہے (مثلاً خام لوہے کے ذخیروں کا)۔ نہ صرف ایسے تخمینے

کئے جاتے ہیں بلکہ ان وسائل پر زبردست اجارہ دار کمپنیاں قبضہ جمارہی ہیں۔ منڈیوں کی صلاحیت کا بھی تقریباً تخمینہ کیا جاتا ہے اور پھر کمپنیاں ان کو معاہدے کے ذریعے آپس میں ''تقسیم'' کر لیتی ہیں۔ باہنر قوت محنت کی اجارہ داری کی جاتی ہے، بہترین انجینئر مازم رکھے جاتے ہیں، ٹرانسپورٹ کے ذرائع پر قابو حاصل یا جاتا ہے۔ امریکہ میں ریلوے، یورپ اور امریکہ میں جہاز راں کمپنیاں۔سرمایہ داری اپنی سامراجی منزل میں پیداوار کی انتہائی ہمہ گیر سماج کاری کی طرف براہ راست جاتی ہے۔ یہ کہنا چاہیے کہ وہ سرمایہ داروں کو ان کی مرضی او رشعور کے کلاف ایک قسم کے نئے سماجی نظام کی طرف کھینچتی ہے جو مکمل آزاد مقابلے سے مکمل سماج کاری تک عبوری ہوتا ہے۔

پیداوار کا عمل سماجی ہوتا ہے لیکن تصرف نجی رہتا ہے۔ پیداوار کے سماجی ذرائع چند لوگوں کی نجی ملکیت رہتے ہیں۔ رسمی طور پر تسلیم شدہ آزاد مقابلے کا عام ڈھانچہ باقی رہتا ہے اور چند اجارے داروں کا باقی آبادی پر جو سوگنا زیادہ بھاری، اجیرن اور نا قابل برداشت ہو جاتا ہے۔

جرمن ماہر معاشیات کیسٹنیر نے ایک کتاب لکھی ہے جو خاص طور سے ''کارٹیلوں اور باہر والوں کے درمیان کشمکش'' کے موضوع پر ہے۔ ''باہر والے'' وہ کارخانے دار ہیں جو کارٹیلوں کے باہر ہیں۔ کیسٹنیر نے اپنی کتاب کا نام ''تنظیم میں آنے کی مجبوری'' رکھا ہے حالانکہ سرمایہ دارانہ نظام کو اپنی اصلی صورت میں پیش کرنے کے لئے ان کو اجارے داروں کے اتحادوں کی لازمی اطاعت کے بارے میں لکھنا چاہیے تھا۔ کم سے کم ان طریقوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالنا بہت کار آمد ہوگا جو اجارہ دار اتحاد'' تنظیم'' کے لئے جدید تازہ ترین، مہذب جدو جہد میں

اختیار کرتے ہیں: (1) خام اشیاء کی فراہمی روک دینا (کارٹیل میں شامل ہونے پر مجبور کرنے کا بہت ہی اہم طریقہ)۔ (2) ''معاہدوں'' کے ذریعے مزدوروں کی سپلائی روک دینا (یعنی سرمایہ داروں اور ٹریڈ یونینوں کے درمیان ایسے معاہدے کئے جاتے ہیں جن کے مطابق ٹریڈ یونینیں اپنے ممبروں کو صرف کارٹیل والے کارخانوں میں کام کرنے کی اجازت دیتی ہے)۔ (3) مصنوعات کی فراہمی روکنا۔ (4) تجارتی راستے بند کر دینا۔ (5) خریداروں سے سمجھوتے جن کے مطابق خریدار صرف کارٹیلوں سے ہی کاروبار کرتے ہیں۔ (6) باقاعدگی سے قیمتوں میں کمی کرنا (''باہر والی'' فرموں کو تباہ کرنے کے لئے یعنی ان کو جو اجارے داریوں کی اطاعت سے انکار کرتی ہیں۔ کروڑوں اس پر خرچ کر دئے جاتے ہیں کہ کچھ وقت تک سامان لاگت سے بھی کم قیمت پر فروخت کی جائے۔ ایسی مثالیں بھی ہیں جب پٹرول کی قیمت اس طرح 40 مارک سے گرا کر 22 مارک تک کر دی گئی یعنی تقریباً نصف)۔ (7) قرضوں کو روکنا۔ (8) بائیکاٹ کا اعلان۔

ہمارے سامنے چھوٹے اور بڑے، مشینوں کے لحاظ سے ترقی یافتہ یا پسماندہ کارخانوں کا مقابلہ نہیں ہے۔ ہمارے سامنے اجارہ دار ہیں جو اپنے سامنے نہ جھکنے والوں، اپنا جوا اور اپنے احکامات نہ قبول کرنے والوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔

ایک بورژوا ماہر معاشیات کے ذہن میں اس عمل کی عکاسی اس طرح ہوتی ہے:

''خالص معاشی شعبے میں بھی'' کیسٹیر لکھتا ہے'' پرانے معنی میں کاروباری سرگرمی سے تنظیمی سٹے بازانہ سرگرمی کی طرف ایک معین تبدیلی ہو رہی ہے۔ اب سب سے زیادہ کامیابی اس تاجر کو نہیں ہوتی جو اپنے تکنیکی اور کاروباری تجربے کی بنا پر بہترین طریقے سے خریدار کی ضرورتوں کا اندازہ لگا سکتا ہے اور جو ایک پنہاں

مانگ کو معلوم کرنے یا یوں کہیے ''دریافت'' کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کامیابی اس شاطر سٹے باز (؟) کو ہوتی ہے جو یہ پہلے سے جانتا ہے کہ تنظیمی ارتقاء کا اور انفرادی کارخانوں اور بینکوں کے درمیان معین تعلقات کے امکانات کا تخمینہ کس طرح لگانا چاہیے یا محسوس ہی کرنا چاہیے۔۔۔''

معمولی انسانی زبان میں اس کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ دار نظام کا ارتقاء ایسی منزل پر پہنچ گیا ہے جب حالانکہ اجناس کی پیداوار کی اب بھی ''حکمرانی'' ہے اور اس کو معاشی زندگی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت اس میں دراڑ پڑ چکی ہے اور زیادہ تر منافع مالیاتی چالوں والے ''شاطر'' لوگوں کو ملتا ہے۔ ان چالوں اور دھوکے بازیوں کی بنیاد پیداوار کی سماج کاری ہے۔ لیکن انسانیت کی یہ زبردست ترقی جس نے پیداوار کی سماج کاری کا یہ کارنامہ انجام دیا ہے، سٹے بازوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ ہم بعد کو دیکھیں گے کہ کس طرح '' اس بنیاد پر''، سرمایہ دار سامراج کی تنگ نظر رجعت پرستانہ نکتہ چینی ''آزاد''، ''پرامن'' اور ''ایماندارانہ'' مقابلے کی طرف واپس جانے کا خواب دیکھتی ہے۔

''طویل مدت تک قیمتوں میں اضافہ جو کارٹیلوں کی تشکیل کا نتیجہ تھا'' کیسٹنیر لکھتا ہے: ابھی تک انتہائی اہم ذرائع پیداوار میں ہی نظر آتا تھا، خصوصاً کوئلے، لوہے اور پوٹاشیم میں لیکن تیار شدہ سامان کے سلسلے میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ قیمتوں میں اس اضافے سے تعلق رکھنے والے منافع میں اضافہ صرف ان صنعتوں تک محدود رہا ہے جو ذرائع پیداوار تیار کرتی ہیں۔ اس مشاہدے میں ہمیں یہ اضافہ کرنا چاہیے کہ وہ صنعتیں جو خام اشیاء کو صاف کرتی ہیں (نیم تیار سامان نہیں) نہ صرف کارٹیلوں کی تشکیل سے، نیم تیار سامان کی صنعت کے گھاٹے پر، بڑا نفع

کماتی ہیں بلکہ اس صنعت کے تعلق سے انہوں نے تسلط کی معین صورت اختیار کر لی ہے جو آزاد مقابلے میں نہیں تھی۔(کیسٹنیر ، متذکرہ کتاب، صفحہ 254)۔

خط کشیدہ الفاظ معاملے کے اس نچوڑ کا اظہار کرتے ہیں جس کا بورژوا ماہرین معاشیات بہت ہچکچاتے ہوئے اور شاذونادر اعتراف کرتے ہیں اور جس سے کاؤتسکی کی قیادت میں موقع پرستی کے موجودہ محافظ بڑے جوش کے ساتھ کتراتے اور اس کو الگ ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تسلط اور اس سے وابستہ تشدد.... یہ "سرمایہ داری کے ارتقاء کے جدید دور" کی علامتی باتیں ہیں۔ ہمہ گیر طاقت رکھنے والی معاشی اجارے داریوں کی تشکیل کی یہی لازمی نتیجہ ہونا تھا اور ہوا ہے۔

ہم ان طریقوں کی ایک اور مثال دیں گے جو کارٹیل اختیار کرتے ہیں۔ جہاں خام اشیاء کے تمام یا خاص وسائل پر قبضہ جمانا ممکن ہے کارٹیلوں کا ابھرنا اور اجارے داریوں کی تشکیل خاص طور سے آسان ہے۔ بہر حال، یہ خیال کرنا غلط ہوگا کہ اجارہ داریاں ان دوسری صنعتوں میں نہیں پیدا ہوتیں جہاں خام اشیاء کے وسائل پر قبضہ جمانا ناممکن ہے۔ مثلاً سیمنٹ کی صنعت کو خام سامان ہر جگہ مل سکتا ہے۔پھر بھی جرمنی میں اس صنعت کو بھی مضبوطی کے ساتھ کارٹیلوں میں تبدیل کرلیا گیا ہے۔ سیمنٹ بنانے والوں نے علاقائی سینڈیکیٹ بنا لئے ہیں: جنوبی جرمن، رائن ویسٹ فالین وغیرہ۔ جو قیمتیں مقرر کی گئی ہیں وہ اجارہ دارانہ ہیں: 230 سے 280 مارک تک ایک ویگن کے لئے جبکہ لاگت کی قیمت 180 مارک ہے۔یہ کارخانے 12 سے 16 فیصدی تک منافع حصہ داروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جدید سٹے بازی کے "شاطروں" کو جو کچھ حصوں کے نفع کی حیثیت سے ملتا ہے اس کے علاوہ وہ بڑے بڑے منافعے اپنی جیب میں بھر سکتے

ہیں۔ ایسی نفع بخش صنعت میں مقابلے سے بچنے کے لئے اجارہ دار طرح طرح کی افواہیں پھیلاتے ہیں، اخباروں میں مندرجہ ذیل جیسے گمنام انتباہ چھپتے ہیں: ”سرمایہ دار، اپنا سرمایہ سیمنٹ کی صنعت میں مت لگاؤ، آخر میں وہ” باہر والوں“ کے کارخانوں کو (جو سینڈیکیٹوں سے باہر ہیں) خرید لیتے ہیں اور ان کو 60،80 ہزار اور ڈیڑھ لاکھ تک معاوضہ دیتے ہیں۔

L, Eschwege, Zement, in Die Bank, 1909, 1, S. 115 et seq.

اجارہ داری ہر جگہ اور ہر ذریعہ سے اپنا راستہ بنا لیتی ہے، مقابلہ کرنے والوں کو خریدنے کے لئے ”معقول“ معاوضہ دینے سے لے کر ان کے خلاف آتشگیر مادے کو ”استعمال کرنے“ کے امریکی طریقے تک۔

یہ کہنا کہ کارٹیل بحرانوں کو ختم کر سکتے ہیں بورژوا ماہرین معاشیات کی پھیلائی ہوئی داستان ہے جو سرمایہ دار نظام کو اچھے رنگ میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے برعکس اجارہ داری جو صنعت کی بعض شاخوں میں پیدا ہوگئی ہے ساری سرمایہ دارانہ پیداوار میں جبلی نراجیت کو بڑھاتی اور تیز کرتی ہے۔ زراعت اور صنعت کی ترقی کے درمیان نابرابری جو عام طور پر سرمایہ دار نظام کا کردار ہے، بڑھ جاتی ہے۔ کارٹیلوں میں انتہائی مربوط، نام نہاد بھاری صنعت، خصوصاً کوئلے اور لوہے کی صنعت کی خصوصی مراعتی پوزیشن، صنعت کی دوسری شاخوں میں ” منصوبہ بندی کی اور بھی زیادہ کمی“ کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ یئڈیلس تسلیم کرتے ہیں، جو بڑے جرمن بینکوں کے صنعت سے تعلقات“ پر ایک بہترین کتاب کے مصنف ہیں۔

Jeidels, Das Verhaltnis der deutschen Grosbanken zur Industrie mit besonderer Berucksichtigung der Eisenindustrie, Leipzig, 1905, s, 271.

ہر طرح کے بحران_ سب سے اکثر معاشی بحران لیکن صرف یہی نہیں_ اپنی باری میں ارتکاز اور اجارے سرمایہ دار نظام کا ایک بے شرم حامی لیفمان لکھتا ہے" کوئی معاشی نظام جتنا زیادہ ترقی یافتہ ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ وہ جوکھم والے یا غیر ملکی کاروباروں کی طرف جھکتا ہے، ان کی طرف جن کی ترقی کے لئے بہت وقت کی ضرورت ہوتی ہے یا آخر میں ان کی طرف جو صرف مقامی اہمیت رکھتے ہیں۔"

Liefmann, Beteiligungs-und Finanzierungsgesellschaften, s. 434.

بڑھتے ہوئے جوکھم کا تعلق بالآخر سرمائے میں حیرت انگیز اضافے سے ہے جو، یوں کہنا چاہیے، لبالب ہوکر باہر بہنے لگتا ہے وغیرہ۔ ساتھ ہی تکنیکی ترقی کی انتہائی تیز رفتار قومی معیشت کے مختلف شعبوں کے درمیان نابرابری کے بڑھتے ہوئے عناصر پیدا کرتی ہے، نزاجیت اور بحرانوں کو جنم دیتی ہے۔ لیفمان یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوتا ہے:" غالباً انسانیت مستقبل قریب میں مزید اہم تکنیکی انقلابوں سے دوچار ہوگی جو معاشی نظام کی تنظیم پر بھی اثر انداز ہوں گے..." بجلی اور ہوا بازی..." عام طور پر اور عام قاعدے کے مطابق ایسی بنیادی معاشی تبدیلیوں کے ادوار میں سٹے بازی بڑے پیمانے پر فروغ پاتی ہے..." ایضاً صفحات 460-466

ہر طرح کے بحران داری کے رجحان کو کافی بڑھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں

یئڈیلس کے مندرجہ ذیل خیالات 1900 کے بحران کی اہمیت کے بارے میں کافی سبق آموز ہیں جس نے جیسا کہ ہم جانتے ہیں، جدید ترین اجارے داریوں کی تاریخ میں موثر کارول ادا کیا ہے:

''اس وقت جب 1900 کا بحران آیا بنیادی صنعتوں میں دیو پیکر کارخانوں کے ساتھ ساتھ ایسے بہت سے کارخانے ان لائنوں پر منظم تھے جن کو آج فرسودہ سمجھا جاتا، وہ ''خالص'' (غیر مجتمع) کارخانے جو گرم بازاری کے عروج میں ابھرے تھے۔قیمتوں میں گراوٹ اور گرتی ہوئی مانگ نے ان ''خالص'' کارخانوں پر بالکل اثر نہیں کیا یا صرف بہت مختصر وقت کے لئے ان پر اثر انداز ہوئی اس کے نتیجے میں 1900 کے بحران کے بعد بمقابلہ 1873 کے بحران کے صنعت کا کہیں زیادہ ارتکاز ہوا۔ موخر الذکر بحران نے ایک طرح سے بہترین کارخانوں کا انتخاب بھی پیدا کیا، لیکن اس وقت کے تکنیکی معیار کی وجہ سے یہ انتخاب ان کارخانوں کو جو بحران سے کامیاب ہوکر نکلے تھے، اجارہ داری کی پوزیشن میں نہ لا سکا۔ ایسی پائیدار اجارہ داری اور وہ بھی اعلیٰ درجے کی، موجودہ لوہے، فولاد اور بجلی کی صنعتوں کے بڑے بڑے کارخانوں میں اپنی بہت پیچیدہ تکنیک، دور رس تنظیم، اور زبردست سرمائے کی وجہ سے موجود ہے اور اس سے کم درجے کی، انجینئرنگ کی صنعت کے کارخانوں، دھات ساز صنعت کی بعض شاخوں اور ٹرانسپورٹ وغیرہ میں ہے''۔Jeidels، صفحہ 108۔

اجارہ داری ـــــ ''سرمایہ داری کے ارتقاء کے جدید دور'' میں آخری لفظ ہے۔ لیکن اگر ہم بینکوں کے رول کو پیش نظر نہ رکھیں تو جدید اجارے داریوں کی حقیقی طاقت اور اہمیت کا ہمارا تصور بہت ہی ناکافی، نامکمل اور سطحی ہوگا۔

(2) بینک اوران کانیا رول

بینکوں کا خاص اور پہلا کام یہ ہے کہ وہ رقوم کی ادائیگی میں بچوانی کا کام کریں۔ایسا کرنے میں وہ بیکار زرسرمائے کو باکار سرمائے میں بدل دیتے ہیں یعنی اس سرمائے میں جو نفع بخش ہوتا ہے۔ وہ ہر طرح کی نقد آمدنیاں جمع کرکے ان کو سرمایہ دار طبقے کی خدمت میں پیش کردیتے ہیں۔

بینک کاری جتنی زیادہ ترقی کرتی ہے اورقلیل تعداد اداروں میں اس کا ارتکاز ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ بینک معمولی بچوانیوں سے بڑھ کر طاقتور اجارہ دار بنتے جاتے ہیں جن کے اختیار میں تمام سرمایہ داروں اور چھوٹے کاروباریوں کا سارانقد سرمایہ اور کسی ایک ملک میں اور متعدد ملکوں میں ذرائع پیداوار اور خام اشیاء کے وسائل کا بھی زیادہ بڑا حصہ ہوتا ہے۔ بہت سے معمولی بچوانیوں کی مٹھی بھر اجارے داروں میں یہ تبدیلی سرمایہ داری کے سرمایہ دار سامراجی نظام تک ارتقاء کرنے میں ایک بنیادی عمل ہے۔ اسی سبب سے ہمیں سب سے پہلے بینک کاری کے ارتکاز کا جائزہ لینا چاہیے۔

1907_8 میں جرمن جوائنٹ اسٹاک بینکوں میں، جن میں سے ہر ایک کا سرمایہ دس لاکھ مارک سے زیادہ تھا، امانت کی مجموعی رقم سات ارب مارک تھی۔ 1912_13 میں یہ امانتی رقوم نو ارب 80 کروڑ مارک تک پہنچ گئیں یعنی 5 سال میں 40 فیصدی کا اضافہ ہوا۔ اور دو ارب 80 کروڑ مارک کے اضافے میں سے دو ارب 70 کروڑ مارک 57 بینکوں میں تقسیم کئے گئے جن میں سے ہر ایک کا سرمایہ ایک کروڑ مارک سے زیادہ تھا۔ بڑے اور چھوٹے بینکوں کے درمیان امانتوں کی تقسیم مندرجہ ذیل تھی:

مجموعی امانتوں کی فیصدی

1907-1908

1912- 1913

چھوٹے بینکوں میں سرمایہ 10 لاکھ سے کم تھا

4

3

110 بینکوں میں سرمایہ 10 لاکھ سے 1 کروڑ تک تھا

16.5

12

دوسرے 48 بینکوں میں سرمایہ ایک کروڑ مارک سے زیادہ تھا

32.5

36

برلن کے 9 بڑے بینکوں میں

47

49

Alferd Lansburgh, Funf Jahre deutsches Bankwesen in Die Bank

چھوٹے بینکوں کو بڑے بینک ہٹارہے ہیں جن میں سے محض نو بینکوں کے ہاتھ میں مجموعی امانتوں کا تقریباً نصف سمٹ کر آ گیا ہے۔ لیکن یہاں ہم نے بہت سی تفصیلات چھوڑدی ہیں۔ مثلاً بہت سے چھوٹے چھوٹے بینکوں کا بڑے بینکوں

کی واقعی شاخوں میں تبدیل ہونا وغیرہ، جس کے بارے میں بعد کو بتایا جائے گا۔

1913 کے آخر میں شولیستے گے وریتیس نے برلن کے نو بڑے بینکوں کی امانتوں کا تخمینہ تقریباً کل دس ارب مارک کی امانتوں میں سے 5 ارب دس کروڑ مارک لگایا۔ صرف امانتوں کو ہی نہیں بلکہ سارے بینکی سرمائے کو پیش نظر رکھ کر مصنف نے لکھا:

"1909 کے آخر میں، برلن کے نو بڑے بینک، اپنے ملحقہ بینکوں کے ساتھ تقریباً تین ارب مارک کنٹرول کرتا ہے جو پروشیائی ریاستی محکمہ ریلوے کے برابر پرانی دنیا میں سب سے بڑا اور انتہائی غیر مرکوز جمع شدہ سرمایہ ہے"۔

Schulze-Gaevernitz, Die deutsche Kreditbank in Grundriss der Sozialokonomik, Tubingen, 1915, ss. 12, 137.

ہم نے "ملحقہ" بینکوں کے حوالے پر زور دیا ہے کیونکہ یہ جدید ترین سرمایہ دارانہ ارتکاز کی اہم ترین امتیازی خصوصیتوں میں سے ایک ہے۔ بڑے کاروباری ادارے، خصوصاً بینک، نہ صرف چھوٹے بینکوں کو بالکل جذب کر لیتے ہیں بلکہ ان کا "الحاق" بھی کر لیتے ہیں، ان کو ماتحت بناتے ہیں، ان کو "اپنے" گروپ یا اپنے "کنسرن" (تکنیکی اصطلاح کے مطابق) میں لاتے ہیں، ان کے سرمائے میں "شرکت" حاصل کر کے، حصوں کو خرید کر یا ان کا تبادلہ کر کے قرضوں کے نظام وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ۔ پروفیسر لیفمان کی ایک ضخیم "تخلیق" تقریباً 500 صفحات کی ہے جس میں انہوں نے نئی "حصے دار اور مالیاتی کمپنیوں کے بارے میں بتایا ہے۔

R. Liefmann, Betelligungs und Finanzierungesgesellschaften. Eine Studie uber den modernen Kapitalismus und das Effektenwesen, 1. Aufl., Jena, 1909, s. 212

بد قسمتی سے انہوں نے زیادہ تر ناپختہ اور خام مواد میں بہت سی گھٹیا" نظریاتی" دلیلوں کا اضافہ کیا ہے۔ ارتکاز کے لحاظ سے" شرکت داری" (Holding) کا نظام کن نتائج کی طرف لے جاتا ہے اس کو بہترین طریقے سے اس کتاب میں دکھایا گیا ہے جو ریسر نے بڑے جرمن بینکوں کے بارے میں لکھی ہے۔ ریسر خود بھی بینکر ہیں۔ لیکن ان کی معلومات کا جائزہ لینے سے پہلے ہم" شراکت داری" کے نظام کی ایک ٹھوس مثال دیں گے۔

"جرمن بینک" کا" گروپ" اگر سب سے بڑا نہیں تو سب سے بڑے بینک گروپوں میں سے ضرور ہے۔ ان خاص رشتوں کو تلاش کرنے کے لئے جو اس گروپ میں تمام بینکوں کو منسلک کرتے ہیں پہلے، دوسرے اور تیسرے درجے کی" شرکت داریوں" کے درمیان امتیاز کرنا چاہیے یا دوسرے الفاظ میں، چھوٹے بینکوں کے" جرمن بینک" کے پہلے، دوسرے اور تیسرے درجے کے دست نگر ہونے کا امتیاز۔ مندرجہ ذیل خاکہ اس طرح ہمارے سامنے آتا ہے (خاکہ آگے ہے)" پہلے درجے کے دست نگر" 8 بینکوں میں جو" جرمن بینک" کے" کبھی کبھی" دست نگر ہوتے ہیں، تین غیر ملکی بینک بھی شامل ہیں:

Alfred Lansburgh, Das Betelligungssystem im deutschen bankwesen, in Die Bank, 1910, 1.

s. 500.

ایک آسٹریائی (وی آنا "بینک کمپنی" Bankverein) اور دو روسی بینک (سائبیریائی کمرشل بینک اور غیر ملکی تجارت کا روسی بینک)۔ مجموعی طور پر "جرمن بینک" گروپ 87 بینکوں پر براہ راست اور بالواسطہ، جزوی اور مجموعی طور پر مشتمل ہے اور مجموعی سرمایہ ــــ اس کا اپنا اور ان دوسرے بینکوں کا سرمایہ جس کو وہ کنٹرول کرتا ہے۔ دو یا تین ارب مارک کے درمیان ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ جو بینک ایسے گروپ کا سربراہ ہے اور جو آدھے درجن ایسے بینکوں سے، جو اس سے کچھ ہی چھوٹے ہیں، سمجھوتا کرتا ہے، تاکہ غیر معمولی بڑے اور نفع بخش مالیاتی کاروبار کئے جائیں جیسے سرکاری قرضوں کا جاری کرنا، اس بینک کے لئے "بچوانی" کا رول فرسودہ ہو جاتا ہے اور وہ مٹھی بھر اجارے داروں کا اتحاد بن جاتا ہے۔

"جرمن بینک" شرکت دار ہے:

پہلے درجے کی دست نگری

دوسرے درجے کی دست نگری

تیسرے درجے کی دست نگری

مستقل طور پر

17 بینکوں میں

جن میں سے 9 دوسرے 34 بینکوں میں شرکت داریاں رکھتے ہیں

جن میں سے 4 دوسرے 7 بینکوں میں شرکت داریاں رکھتے ہیں

ایک غیر معینہ مدت کے لئے

5 بینکوں میں

کبھی کبھی

8 بینکوں میں

جن میں سے 5 دوسرے 14 بینکوں میں شرکت داریاں رکھتے ہیں

جن میں سے 2 دوسرے 2 بینکوں میں شرکت داریاں رکھتے ہیں

میزان:

30 بینکوں میں

جن میں سے 14 دوسرے 48 بینکوں میں شرکت داریاں رکھتے ہیں

جن میں سے 6 دوسرے 9 بینکوں میں شرکت داریاں رکھتے ہیں

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتداء میں جس تیزی سے جرمنی میں بینک کاری کا ارتکاز ہوا ہے وہ ذیل کے خاکے سے ظاہر ہوتا ہے جو ہمیں مختصر صورت میں ریسر سے ملا ہے:

یہ برلن کے چھ بڑے بینکوں کے ہاتھ میں تھے۔

سال

جرمنی میں شاخیں

امانتی بینک اور دفاتر مبادلہ

جرمن سٹاک بینکوں میں مستقل شرکت داریاں

کل ادارے

1890

1900

1911

16

40

104

14

40

276

1

8

63

42

80

450

ہم دیکھتے ہیں کہ کس تیز رفتاری سے شاخوں کا ایک گھنا جال سارے ملک میں پھیل رہا ہے جو تمام سرمائے اور نقد آمدنیوں کو مرکوز کرتا ہے، ہزارہا منتشر معاشی اداروں کو واحد قومی سرمایہ دار معیشت میں اور پھر عالمی سرمایہ دار معیشت میں تبدیل کرتا ہے۔جس "غیر مرکزیت" کا ذکر شولتسے گےوریتس نے موجودہ بورژا سیاسی معاشیات کی طرف سے پہلے ہوئے حوالے میں کے اہے،اس کا دراصل مطلب یہ

ہے وہ بڑھتی ہوئی تعداد میں ایسی معاشی اکائیاں واحد مرکز کے ماتحت ہو جائیں جو پہلے نسبتاً" خودمختار" تھیں یا یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ بالکل مقامی طور پر محدود معاشی اکائیاں تھیں۔ درحقیقت یہ مرکزیت ہے، زبردست اجارے داروں کے رول، اہمیت اور طاقت میں اضافہ ہے۔

زیادہ پرانے سرمایہ دار ملکوں میں یہ بینکوں کا جال اور بھی گھنا ہے۔ برطانیہ اور آئر لینڈ میں 1910 میں تمام بینکوں کی 7151 شاخیں تھیں۔ چار بڑے بینکوں میں سے ہر ایک کی 400 سے زیادہ شاخیں تھیں (447 سے لے کر 689 تک)۔ ان کے علاوہ اور چار بینکوں میں سے ہر ایک کی 200 سے زیادہ اور گیارہ بینکوں میں سے ہر ایک کی 100 سے زیادہ شاخیں تھیں۔

فرانس میں تین بہت بڑے بینکوں Credit Lyonnais, Comptoir, National, Societe Generale, نے اپنا کاروبار اور اپنی شاخوں کا جال مندرجہ ذیل طریقے سے بڑھایا۔

Eugen Kaufmann, Das frazosische Bankwesen, Tubingen. 1911, S, 356 und 362.

شاخوں اور دفتروں کی تعداد

سرمایہ (10 لاکھ فرانک میں)

صوبوں میں

پیرس میں

میزان

اپنا سرمایہ

امانت بطور سرمایہ

1870

1890

1909

47

192

1033

17

66

196

64

258

1229

200

265

887

427

1245

4363

موجودہ زمانے کے کسی بڑے بینک کے "رابطے" کی نوعیت دکھانے کے

لئے ریسر نے ذیل میں ان خطوں کی تعداد دی ہے جو جرمنی اور دنیا بھر کے ایک سب سے بڑے بینک " ڈیسکونتو گیسیل شافٹ " -Disconto Gesellschaft نے بھیجے اور موصول کئے ہیں (اس میں بینک کا سرمایہ 1914 میں 30 کروڑ مارک تک پہنچ گیا:

موصول شدہ خطوط

ارسال کئے ہوئے خطوط

1852

1870

1900

6135

85800

533102

6292

87513

626043

پیرس کے بڑے بینک " کریڈٹ لیونے " میں حسابوں کی تعداد جو 1875 میں 285335 تھی، بڑھ کر 1912 میں 633539 ہو گئی

Jean Lescure, L'eparagne en France, Paris, 1914, p,52.

یہ سادہ اعداد و شمار کسی طویل بحث مباحثے سے زیادہ بہتر دکھاتے ہیں کہ کس

طرح سرمائے کا ارتکاز اور بینک کے سرمائے کی گردش میں اضافہ بنیادی طور پر بینکوں کی اہمیت بدل رہے ہیں۔منتشر سرمایہ دار مل کر واحد اجتماعی سرمایہ دار بن جاتے ہیں۔جب بینک چند سرمایہ داروں کے کرنٹ اکاؤنٹ سے رکھتا ہے تو ایک طرح سے خالص تکنیکی اور محض ضمنی کام کرتا ہے۔بہر حال جب یہ کام زبردست پیمانے تک پہنچ جاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مٹھی بھر اجارہ دار سارے سرمایہ دار سماج کے تمام تجارتی اور صنعتی عوامل کو اپنے تحت کر لیتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بینک کا کاروبار کے رالطبوں، اپنے کرنٹ اکاؤنٹ او دوسرے مالیاتی عوامل کے ذریعہ اس قابل ہوتے ہیں کہ اول وہ مختلف سرمایہ داروں کی مالیاتی حالت ٹھیک ٹھیک معلوم کر سکیں، اس کے بعد ان کو کنٹرول کر سکیں، قرضوں کو محدود یا وسیع بنا کر، انہیں آسان بنا کر یا رکاوٹ ڈال کر ان پر اثر انداز ہو سکیں، اور آخر کار ان کی قسمت کا پوری طرح فیصلہ کر سکیں، ان کی آمدنی معین کر سکیں، ان کو سرمائے سے محروم کر سکیں یا ان کو اپنا سرمایہ تیزی سے زبردست پیمانے تک بڑھانے کی اجازت دے سکیں وغیرہ۔

ابھی ہم برلن کے "ڈیسکونتو گیسیل شافٹ" کے 30 کروڑ مارک کے سرمائے کا ذکر کر چکے ہیں۔اس بینک کے سرمائے میں اضافہ برلن کے دو سب سے بڑے بینکوں، جرمن بینک ، اور ڈیسکونتو گیسیل شافٹ کے درمیان قیادت کی کشمکش کا ایک واقعہ ہے۔1870 میں اول الذکر ابھی نیا نیا تھا اور اس کے پاس صرف ایک کروڑ پچاس لاکھ کا سرمایہ تھا جب کہ دوسرے بینک کے پاس تین کروڑ مارک کا سرمایہ تھا۔ 1908 میں پہلے کا سرمایہ بیس کروڑ مارک ہو گیا اور دوسرے کا 17 کروڑ۔1914 میں پہلے نے اپنا سرمایہ بڑھا کر پچیس کروڑ مارک کر لیا اور دوسرے نے ایک اور اول درجے کے بڑے بینک شاف ہاؤزین شیر بنک ویرین

کے ساتھ مل کر اپنا سرمایہ 30 کروڑ تک بڑھالیا۔قدرتی بات ہے کہ قیادت کی اس کشمکش کے ساتھ ساتھ دونوں بینکوں کے درمیان زیادہ اکثر اور زیادہ پائیدار سمجھوتے بھی ہوتے رہے۔ بینک کا کاروبار کے ماہرین نے اس طرح کے ارتقا سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے ہیں جو معاشی سوالات کو ایسے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں جو انتہائی معتدل اور محتاط بورژوا اصلاح پرستی کے حدود سے ذرا بھی تجاوز نہیں کرتا۔

ڈیکسونتو گیسیل شافٹ کا سرمایہ 30 کروڑ مارک تک بڑھ جانے پر رائے زنی کرتے ہوئے جرمن رسالے "بینک" نے لکھا ہے "دوسرے بینک بھی اسی راستے کی پیروی کریں گے اور وقت کے ساتھ وہ 300 آدمی جو جرمنی پر اس وقت معاشی لحاظ سے حکمران ہیں، پچاس پچیس یا اس سے بھی کم رہ جائیں گے۔اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ ارتکاز کی تازہ ترین تحریک صرف بینک کاری تک محدود رہے گی۔ الگ الگ بینکوں کے درمیان جو گہرے تعلقات ہیں وہ قدرتی طور پر ان صنعتی سینڈیکیٹوں کو بھی یکجا کردیں گے جن کی یہ بینک سرپرستی کرتے ہیں.... کسی حسین صبح جب ہم اٹھیں گے تو ہماری حیرت زدہ آنکھوں کے سامنے بس ٹرسٹ ہی ٹرسٹ ہوں گے اور ہمیں اس کی ضرورت ہوگی کہ نجی اجارے داریوں کی جگہ ریاستی اجارہ داریاں لائیں۔بہرصورت ہمیں اس کے سوا اپنے اوپر اور کوئی ملامت نہیں کرنا ہے کہ ہم نے حالات کے ارتقا کو اپنے راستے پر چلنے دیا جو حصوں کے جوڑتوڑ سے ذرا تیز ہوگیا۔

A. Lansburgh, Die Bank mit den 300 Millionens, in Die Bank. 1914, 1, S. 426.

یہ ہے بورژوا صحافت کے ناکارہ پن کی مثال جو بورژوا سائنس سے صرف

اس بات میں مختلف ہے کہ موخرالذکر کم پرخلوص ہے اور وہ سارے معاملے کے جوہر پر ہی پردہ ڈالنا چاہتی ہے، جنگل کو درختوں کے پیچھے چھپانا چاہتی ہے۔ارتکاز کے نتیجوں پر متحیر ہونا، سرمایہ دار جرمن حکومت کی یا سرمایہ دار سماج ("ہم") کی "ملامت" کرنا، اس سے ڈرنا کہ اور حصوں کا رواج ارتکاز کو اس طرح تیز کردے گا جیسے کارٹیلوں کا جرمن ماہر چیرشکی ٹرسٹوں سے ڈرتا ہے اور اس بنیاد پر جرمن کارٹیلوں کو "ترجیح دیتا ہے" کیونکہ "ممکن ہے وہ ٹرسٹوں کی طرح ٹکنیکی اور معاشی ترقی کو اتنے غیر معمولی طور پر تیز نہ کریں"۔کیا یہ سب ناکارہ پن کی علامت نہیں ہے؟

پھر بھی حقائق تو حقائق ہیں۔ جرمنی میں ٹرسٹ نہیں ہیں۔ وہاں " صرف " کارٹیل ہیں۔لیکن جرمنی پر سرمایہ دار سیٹھوں کی حکمرانی ہے جن کی تعداد 300 سے زیادہ نہیں ہے اور یہ تعداد متواتر گھٹ رہی ہے۔ ہر صورت میں، تمام سرمایہ دار ملکوں میں، بینکوں کے کاروبار کے قوانین میں فرق کے باوجود بینک سرمائے کا ارتکاز اور اجارے داریوں کی تشکیل کے عمل کو بہت زیادہ شدید اور تیز کرتے ہیں۔

بینک سماجی پیمانے پر شکل کی تخلیق کرتے ہیں، محض عام حساب کتاب اور ذرائع پیداوار کی عام تقسیم کی صرف شکل ہی کی تخلیق کرتے ہیں"۔ مارکس نے اپنی کتاب "سرمایہ" میں نصف صدی پہلے لکھا ہے (روسی ترجمہ جلد 3، حصہ 2، صفحہ 144)۔ بینک والے سرمائے میں اضافے، سب سے بڑے بینکوں کی شاخوں اور دفتروں کی تعداد میں اضافے، ان کے اکاؤنٹوں کے اضافے وغیرہ کے بارے میں جن اعدادوشمار کا حوالہ ہم نے دیا ہے، وہ پورے سرمایہ دار طبقے کے اس "عام حساب کتاب" کی ٹھوس تصویر پیش کرتے ہیں اور صرف سرمایہ داروں کی ہی نہیں

کیونکہ بینک، چاہے ایسا عارضی ہی کیوں نہ ہو، ہر قسم کی نقد آمدنیاں جمع کرتے ہیں۔ چھوٹے کاروباریوں، دفتری کلرکوں اور مزدور طبقے کی بہت چھوٹی اوپری پرت کی آمدنی۔ "ذرائع پیداوار کی عام تقسیم" وہ ہے جو رسمی لحاظ سے جدید بینکوں سے پیدا ہوتی ہے جو ارب ہا ارب کی رقمیں کنٹرول کرتے ہیں (جن کی تعداد فرانس میں سب سے بڑے بینک تین سے چھ تک اور جرمنی میں چھ سے آٹھ تک ہے)۔ بہر حال مافیہ کے لحاظ سے ذرائع پیداوار کی یہ تقسیم بالکل "عام" نہیں بلکہ نجی ہوتی ہے یعنی وہ بڑے سرمائے کے اور سب سے پہلے زبردست، اجارہ دارانہ سرمائے کے مفادات سے مطابقت رکھتی ہے جو ایسے حالات میں عمل پیرا ہوتا ہے جن میں کثیر تعداد آبادی نیم بھوکی رہتی ہے، جن میں زراعت کی ترقی صنعت کی ترقی سے کہیں زیادہ پس ماندہ ہے، جب کہ صنعت کے اندر خود بھاری صنعتیں صنعت کی تمام دوسری شاخوں سے خراج وصول کرتی ہیں۔

سرمایہ دار معیشت کی سماج کاری کے معاملے میں سیونگ بینک اور ڈاک خانہ بینکوں سے مقابلہ کرنے لگے ہیں۔ وہ زیادہ "غیر مرکوز" ہیں یعنی ان کے دائرہ اثر میں مختلف مقاموں کی زیادہ بڑی تعداد ہے، زیادہ دور دراز جگہوں کی، آبادی کے زیادہ وسیع حصوں کی۔ یہ ہیں وہ معلومات جو بینکوں اور سیونگ بینکوں کی امانتوں کے تناسبی اضافے سے متعلق ایک امریکی کمیشن نے جمع کی ہیں۔

برطانیہ

برطانہ

فرانس

فرانس

جرمنی

بینکوں میں

سیونگ بینکوں میں

بینکوں میں

سیونگ بینکوں میں

بینکوں میں

کریڈیٹ سوسائٹیوں میں

سیونگ بینکوں میں

1880

74

16

09

05

04

26

1888

164

20

15

61

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006 اقبال اکادمی پاکستان

11

04

45

1908

236

46

37

42

71

22

139

امریکی National Monetary Commission کے اعداد شمار جن کا حوالہ رسالہ Die Bank (1910، شمارہ 1، صفحہ 1200،) میں دیا گیا ہے۔

چونکہ وہ امانت پر 4 اور 4.25 فی صدی سود دیتے ہیں اس لئے سیونگ بینکوں کو اپنا سرمایہ لگانے کے لئے نفع بخش کام تلاش کرنا پڑتا ہے۔ان کو ہنڈیوں اور تمسکوں وغیرہ کا کاروبار کرنا پڑتا ہے۔بینکوں اور سیونگ بینکوں کے درمیان سرحدیں "زیادہ سے زیادہ دھندلی ہو جاتی ہیں "۔مثلاً بوخوم اور ایرفورٹ کے ایوان ہائے تجارت مطالبہ کرتے ہیں کہ سیونگ بینکوں کے لئے بینک کے "خالص " کاروبار "ممنوع "قرار دئے جائیں مثلاً ہنڈیوں کا حساب کتاب کرنا۔وہ ڈاک

خانوں کی بینک کاری کے عملوں محدود کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

امریکی National Monetary Commission کے اعداد وشمار جن کا حوالہ رسالہ Die Bank (1910، شمارہ 1، صفحات 811.1022, 1914،) میں دیا گیا ہے۔

بینکوں کے سیٹھ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کسی غیر متوقع سمت سے آ کر ریاستی اجارہ داری ان کو دبوچ لے گی۔ بہر حال یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ خوف ایک ہی دفتر کے دو شعبہ جاتی مینیجروں کے درمیان رقابت کے اظہار سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ ایک طرف، وہ اربوں کی رقم جو سیونگ بینکوں میں ہوتی ہے آخری تجزیے میں یہی بینک کے سرمایہ دار سیٹھ اس کا کنٹرول کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف، سرمایہ دار معاشرے میں ریاستی اجارہ داری صنعت کی کسی دیوالیہ ہونے والی شاخ کے ارب پتیوں کی آمدنی بڑھانے اور آمدنی کی ضمانت دینے کا ذریعہ ہے۔

پرانی قسم کی سرمایہ داری سے، جس میں آزاد مقابلہ غالب تھا، نئی سرمایہ داری میں تبدیلی، جس میں اجارے داری کی حکمرانی ہے، دوسری چیزوں کے علاوہ اسٹاک ایکس چینج کے زوال سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ رسالہ "بینک" لکھتا ہے کہ "مدت ہوئی اسٹاک ایکسچینج گردش کا لازمی ذریعہ نہیں رہا ہے جیسا کہ وہ پہلے تھا جبکہ بینک اس قابل نہیں تھے کہ وہ اپنے گاہکوں میں قابل اجرا کاغذات زر کا بڑا حصہ تقسیم کر سکیں۔"

Die Bank، 1914۔1، صفحہ 316۔

"ہر بینک اسٹاک ایکسچینج ہے۔" ___ یہ جدید کہاوت اتنی ہی زیادہ سچی ثابت ہوتی ہے جتنا زیادہ بڑا بینک ہوتا ہے اور جتنا زیادہ کامیاب بینک کے کاروبار کا

ارتکاز ہوتا ہے۔

Dr Oscar Stillich, Geld-und Bankwesen, Berlin, 1907, S. 169

جبکہ پہلے، آٹھویں دہائی میں، جوانی کے ولولے سے لبریز اسٹاک ایکسچینج نے (1873 میں اسٹاک ایکسچینج کے دیوالیہ پن (18) اور گریونڈر یر کے شرمناک واقعات (19) کی طرف "نازک" کنایہ وغیرہ) "جرمنی کی صنعت کاری کے دور کی ابتدا کی تھی تو آج کل بینک اور صنعت تنہا اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ "ہمارے بڑے بینکوں کا اسٹاک ایکسچینج پر مسلط مکمل طور پر منظم جرمن ریاست کے اظہار کے سوا کچھ نہیں۔ اگر خود کارانہ فرائض منصبی پورے کرنے والے معاشی قوانین کا دائرہ کار گردگی اس طرح محدود ہوتا ہے اور اگر بینکوں کے ذریعہ باشعور ضابطے کا دائرہ کافی وسیع ہوتا ہے تو چند رہنما اشخاص کی قومی معاشی ذمے داری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے "یہ لکھنا ہے جرمن پروفیسر شولتسے گےویرنیتس"

schulze-gaevernitz,die,deutsche kreditbank in grundriss der sozialonomik,tubingen,1915,s,101.

نے جو جرمن سامراج کا وکیل ہے، جس کو تمام ملکوں کے سامراجی مستند مانتے ہیں اور جو اس "حقیر بات" کی پردہ پوشی کی کوشش کرتا ہے کہ بینکوں کے ذریعہ معاشی زندگی کا "باشعور ضابط" مشتمل ہے اس بات پر کہ "مکمل طور پر منظم" مٹھی بھر اجارہ دار پبلک کو مونڈیں۔ کسی بورژوا پروفیسر کا فریضہ یہ نہیں ہیں کہ وہ پوری مشیری کو عریاں کردے یا بینک کے اجارے داروں کی ساری سازشوں کو طشت

ازبام کرے بلکہ اس کا کام ان کو حسین بنا کر بیان کرنا ہے۔

اسی طرح ریسر جو اور بھی زیادہ مستند ماہر معاشیات اور خود بینکر ہے۔ بے معنی الفاظ کو گھماتا رہتا ہے تاکہ نا قابل تردید حقائق کی توجیہہ کر سکے "اسٹاک اکس چینج متواتر وہ امتیازی خصوصیت کھو رہا ہے جو مجموعی طور پر ساری معیشتکے لئے اور خاص طور سے کاغذات زر کی گردش کے لئے قطعی ضروری ہے یعنی نہ صرف ٹھیک ٹھیک ناپنے کا آلہ ہونے کی امتیازی خصوصیت بلکہ ان معاشی تحریکوں کو تقریباً خود کار ضابطے میں لانے والے کی جو اس پر مجتمع ہوتی ہیں۔" ریسر کی متذکرہ کتاب سے حوالہ۔چوتھا ایڈیشن۔صفحہ 629۔

دوسرے الفاظ میں پرانی سرمایہ داری، آزاد مقابلے کی سرمایہ داری، آزاد مقابلے کی سرمایہ دار مع اپنے قطعی ضرری ضابطے میں لانے والے، اسٹاک ایکس چینج، کے ماضی کی بات ہوتی جارہی ہے۔اس کی جگہ لینے کے لئے ایک نئی سرمایہ داری آئی ہے جس کی امتیازی خصوصیات کچھ عبوری ہیں، آزاد مقابلے اور اجارے داری کا مرکب۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے۔کہ یہ تازہ ترین سرمایہ داری "عبور" کر کے کیا چیز بن رہی ہے لیکن بورژوا عالم یہ سوال اٹھانے سے ڈرتے ہے۔

"تیس سال پہلے کاروباری آدمی جو ایک دوسرے سے آزادی کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے، اپنے کاروبار سے متعلق وہ 90 فیصدی کام خود کرتے تھے، جو "مزدوروں" کی جسمانی محنت کے دائرے میں نہیں آتا تھا۔آج کل یہ 90 فیصدی کاروباری دماغی ملازمتیں کرتے ہیں۔بینک کاری اس ارتقامیں سربراہ ہے۔"

schulze-gaevrnitz,die deutsch-kreditbank in

crundriss der sozialokranomik ,1915.s.151۔

شولتسے گے ویرنتیس کا یہ اعتراف پھر ہمیں اس سوال کی طرف لے آتا ہے کہ تازہ ترین سرمایہ داری، یعنی سرمایہ داری اپنی سامراجی منزل میں عبور کر کے کس چیز کی طرف جا رہی ہے۔

ارتکازی عمل کے نتیجے میں سرمایہ دار معشیت میں جو چند بینک چوٹی پر کھڑے ہیں، ان میں قدرتی طور پر اجارہ دارنہ سمجھوتوں کی طرف، بینکوں کے ٹرسٹ کی طرف بڑھتا ہوا نمایاں رجحان دیکھا جاتا ہے۔ امرایکہ میں 9 نہیں بلکہ دو سب سے بڑے بینک ارب پتیوں راک فیلر اور مورگن کے بینک گیارہ ارب مارک کا سرمایہ کنٹرول کرتے ہیں۔ ,1, die bank ,1912 صفحہ 435۔ جرمنی میں "ڈیسکونتو گیسل شافٹ" میں "شاف ہاؤزین شیر بینک ویرین" کے ضم ہونے پر جس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں، اسٹاک اکس چینج کے مفادات کے ترجمان اخبار "فرینکفورٹر تسیتونگ" نے اس طرح روئے زنی کی ہے۔

بینکوں کی ارتکازی تحریک ان ادروں کے دائرے کو تنگ بنا رہی ہے جن سے قرضے حاصل کرنا ممکن ہے۔ نتیجے میں بینک کے گروپوں کی ایک چھوٹی تعداد پر بڑی صنعت کی دست نگری بڑھ رہی ہے۔ صنعت اور مالیاتی دنیا کے درمیان قریبی رابطے کی وجہ سے صنعتی کمپنیوں کی آزاد نقل وحرکت محدود ہو جاتی ہے جن کو بینک کے سرمائے کی ضرورت ہے۔ اسی سبب بڑی صنعت بینکوں کی بڑھتی ہوئی ٹرسٹ کاری (اتحاد یا ٹرسٹ میں تبدیلی) کو ملے جلے جذبات سے دیکھ رہی ہے، دراصل ہم بڑے بینکوں کے الگ الگ اتحادوں کے درمیان بعض سمجھوتوں کی ابتدا دیکھ رہے ہیں جن کا مقصد مقابلے کو محدود کرنا ہے۔" grds b,s,oek. میں شوتسے گے

ویرنتیس کا پیش کیا ہوا حوالہ۔صفحہ 155۔

ہر بار بینک کاری کے ارتقا میں آخری لفظ اجارہ داری ہے۔

جہاں تک بینکوں اور صنعت کے درمیان قریبی رابطے کا سوال ہے تو یہی وہ شعبہ ہے جہاں بینکوں کا نیا رول بہت نمایاں طور پر محسوس کیا جا رہا ہے۔ جب کوئی بینک کسی فرم کے لئے ہنڈیوں کا حساب کتاب کرتا ہے۔اس کا کرنٹ اکاؤنٹ کھولتا ہے وغیرہ تو یہ عمل، اگر الگ الگ لئے جائیں، اس کی آزادی کو کم نہیں کرتے اور بینک بچوانی کے معتدل رول سے تجاوز نہیں کرتا۔لیکن جب یہ عمل کافی زیادہ ہو جاتے ہیں اور مقرر ہو جاتے ہیں، جب بینک اپنے ہاتھ میں سرمائے کی بڑی بڑی رقمیں "جمع کر لیتا" ہے، جب کسی فرم کا کرنٹ اکاؤنٹ رکھنے سے بینک اس قابل ہو جاتا ہے(اور یہی ہوتا ہے) کہ وہ اپنی آسامی کی معاشی پوزیشن کے بارے میں زیادہ تفصیلی اور پوری معلومات حاصل کر سکے تو نتیجہ یہ ہوتا ہیکہ صنعتی سرمایہ دار اور زیادہ مکمل طور پر بینک کا محتاج ہو جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی بینکوں اور سب سے بڑے صنعتی اور تجارتی اداروں کے درمیان نجی رابطہ پیدا ہو جاتا ہے، حصوں کے حصول کے ذریعہ، صنعتی اور تجارتی اداروں کے نگراں بورڈوں (یا ڈائریکٹروں کے بورڈوں) میں بینک ڈائریکٹروں کے تقرر (اور اس کے برعکس) کے ذریعہ بینک اور یہ ادارے ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے ہیں۔جرمن ماہر معاشیات ۔ینڈ یلس نے سرمائے اور اداروں کے ارتکاز کی اس شکل کے بارے میں تفصیلی معلومات جمع کی ہیں۔برلن کے چھ سب سے بڑے بینکوں کی نمائندگی اپنے ڈائریکٹروں کے ذریعہ 344 صنعتی کمپنیوں میں اور بورڈوں کے اپنے ممبروں کے ذریعہ 407 دوسری کمپنیوں میں یعنی مجموعی طور پر

751 کمپنیوں میں تھی۔ان میں سے 289 کمپنیوں میں یا تو ہر ایک کے نگراں بورڈوں میں ان بینکوں کے دو نمائندے تھے یا وہ صدر کے عہدے پر تھے۔ہمیں یہ صنعتی اور تجارتی کمپنیاں صنعت کی انتہائی نوع بنوع شاخوں میں ملتی ہیں۔بیمہ،نقل وحمل،ریستوراں،تھیٹر،آرٹ کی صنعت وغیرہ۔دوسری طرف،ان چھ بینکوں کے نگراں بورڈوں میں(1910 میں)51 سب سے بڑے صنعت کار تھے جن میں فرم کروپ، طاقتور اسٹیمر کمپنی "ہاپاگ "ہیمبرگ۔امریکہ لائن)وغیرہ کے ڈائریکٹر شامل تھے۔1895 سے 1910 تک ان چھ بینکوں میں سے ہر ایک نے سینکڑوں صنعتی کمپنیوں کے لئے (جن کی تعداد 681 سے 419 تک تھی)حصے اور بانڈ جاری کرنے میں شرکت کی۔ یئڈ یلس اور ریسر کی متذکرہ کتابوں کا حوالہ۔

بینکوں اور صنعت کے درمیان "نجی رابطے" میں ان دونوں اور حکومت کے درمیان "نجی رابطے " کا اضافہ ہوتا ہے۔یئڈ یلس لکھتا ہے " نگراں بورڈوں کی نشستیں آزادی کے ساتھ خطاب یافتہ لوگوں،سابق سرکاری حکام کو پیش کی جاتی ہیں جو صاحبان اقتدار سے تعلقات پیدا کرنے میں آسانیاں(!!)فراہم کر سکتے ہیں ..."عام طور پر کسی بڑے بینک کے نگراں بورڈ میں پارلیمنٹ کا ممبر یا برلن کی شہری کونسل کا ممبر ہوتا ہے۔"

یوں کہنا چاہئے کہ بڑی سرمایہ دارا جارے داریوں کی تشکیل وترقی پورے زوروں کے ساتھ "فطری "اور "مافوق الفطری "طریقوں سے ہوتی جارہی ہے۔ ان کئی سو مالیات کے بادشاہوں کے درمیان جو موجودہ سرمایہ دار سماج پر پر حکمراں ہیں،باقاعدگی کے ساتھ ایک طرح کی تقسیم محنت قائم ہو رہی ہے۔

"بعض بڑے صنعت کاروں کی سرگرمیوں کے دائرے کی توسیع" (جو بینک

کے بورڈوں میں شامل ہوتے ہیں وغیرہ)" اور صوبائی بینکوں کے مینجروں کو کوئی ایک خاص صنعتی علاقہ سونپ دینے کے ساتھ بڑے بینک کے ڈائریکٹروں میں تخصیص بڑھتی جاتی ہے عام طور پر اس تخصیص کا صرف اسی وقت تصور کیا جا سکتا ہے، جب بینک کے کاروبار بڑے پیانے پر ہو اور خصوصاً جب صنعت کے ساتھ اس کا تعلق کافی وسیع ہو۔ یہ تقسیم محنت دو خطوط پر چلتی ہے۔ ایک طرف توجہ تو مجموعی طور صنعت کے ساتھ تعلقات ایک ڈائریکٹر کو اس کے مخصوص کار منصبی کی حیثیت سے سونپ دیئے جاتے ہیں اور دوسری طرف، ہر ڈائریکٹر کئی الگ الگ کارخانوں کے ایک گروپ کی نگرانی اپنے ذمے لیتا ہے..." (سرمایہ داری انفرادی کارخانوں کی منظم نگرانی کی منزل تک پہنچ چکی ہے)..." کوئی جرمن صنعت میں اور کبھی کبھی صرف مغربی جرمنی کی صنعت میں ہی" (مغربی حصہ جرمنی کا سب سے زیادہ صنعت مند حصہ ہے)" خصوصی مہارت پیدا کرتا ہے تو دوسرے، غیر ملکی ریاستوں اور غیر ملکی صنعت سے تعلقات میں، صنعت کاروں اور دوسروں کے کرداروں کی معلومات میں اور اسٹاک ایکسچینج کے سوالات وغیرہ میں۔ اس کے علاوہ، اکثر بینک کے ہر ڈائریکٹر کو ایک خاص علاقہ یا صنعت کی کوئی خاص شاخ سونپی جاتی ہے۔ کوئی خاص کر بجلی کی کمپنیوں کے نگراں بورڈوں میں کام کرتا ہے تو دوسرا، کیمیائی فیکٹریوں بیئر بنانے یا شکر تیار کرنے والے کارخانوں کے اور تیسرا چند دور افتادہ صنعتی کارخانوں کے اور ساتھ ہی بیمہ کمپنیوں کے نگراں بورڈوں میں بھی کام کرتا ہے... مختصر یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ بڑے بینکوں کی سرگرمیوں کی وسعت اور گوناگونی میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کے ڈائریکٹروں کے درمیان تقسیم محنت میں بھی اضافہ ہوتا ہے جس کا مقصد (اور نتیجہ) ان کو خالص بینک کاری سے اوپر اٹھانا، صنعت کے

عام مسائل اور صنعت کی ہر شاخ کے خالص مسائل کا بہتر مبصر اور بہتر ماہر بناتا ہے اور اس طرح ان کو بینک کے اس نظام کے ساتھ ہی یہ کوشش بھی کی جاتی ہے کہ اپنے نگراں بورڈوں میں ایسے لوگوں کو منتخب کیا جائے جو صنعتی معاملات کے ماہر ہیں مثلاً صنعت کار، سابق افسر، خصوصاً ایسے لوگ جو پہلے ریلوے یا معدنیات کے محکمے میں ملازم تھے" وغیرہ۔ ایئڈیلس، متذکرہ کتاب، صفحات 157-156۔

ہم یہی نظام فرانس کی بینک کاری میں ہلکے فرق کے ساتھ پاتے ہیں۔ مثلاً فرانس کے تین سب سے بڑے بینکوں میں سے ایک " کریڈیٹ لیونے " نے ایک خاص " مالیاتی تحقیقاتی سروس "(service des etudes financieres) منظم کی ہے جس میں مستقل طور سے 50 سے زیادہ انجینیئر، ماہرین اعداد وشمار، ماہرین معاشیات اور قانون داں وغیرہ کام کرتے ہیں۔ اس پر سالانہ چھ سات لاکھ فرانک خرچ ہوتے ہیں۔ پھر یہ سروس آٹھ شعبوں میں تقسیم ہے۔ ایک صنعتی اداروں کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں ماہر، دوسرا عام اعداد وشمار کا مطالعہ کرتا ہے، تیسرا ریلوے اور بحری جہازراں کمپنیوں کا، چوتھا کاغذات زر کا اور پانچواں مالیاتی رپورٹوں وغیرہ کا۔

فرانسیسی بینکوں کے بارے میں eug. kanfmann کے مضمون کو رسالہ die bank میں دیکھئے، 1909، شمارہ 2، صفحہ 851۔

اس کا نتیجہ ایک طرف تو بڑھتے ہوئے ضم ہونے میں نکلتا ہے یا جیسا کہ ان۔ ای۔ بوخارجین نے اس کو بجا طور پر کہا ہے کہ بینک اور صنعتی سرمائے کا انضمام ہوتا ہے۔ دوسری طرف، بینک بڑھ کر واقعی "ہمہ گیر نوعیت" کے ادارے بن جاتے ہیں۔ اس سوال پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان ٹھیک اصطلاحات کا حوالہ دیں جو ئبخ

یلس نے استعمال کی ہیں جس نے اس موضوع کا بہترین طریقے سے مطالعہ کیا ہے۔

" صنعتی تعلقات کی کل میزان کا جائزہ لینے سے صنعت کے لئے کام کرنے والے مالیاتی اداروں کی ہمہ گیر نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری قسم کے بینکوں کے برعکس اور اس مطالعے کے برخلاف، جو اکثر تحریروں میں کیا جاتا ہے کہ بینکوں کو ایک قسم کے کاروبار میں یا صنعت کی ایک شاخ میں خصوصی مہارت پیدا کرنا چاہئے تاکہ ان کے پیروں تلے زمین نہ نکل سکے، بڑے بینک صنعتی کارخانوں سے اپنے رابطے پیداوار کی جائے وقوع اور اس کی قسموں کے لحاظ سے امکانی طور نوع بنوع قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہ مختلف جگھوں اور صنعت کی مختلف شاخوں میں سرمائے کی ناہموار تقسیم کو دور کرنے کے لئے کوشاں ہیں جو انفرادی کارخانوں کے تاریخی ارتقا کا نتیجہ ہے۔ "ایک رجحان صنعت سے عام رابطہ قائم کرنے کا ہے اور دوسرا رجحان اس کو پائیدار اور قریبی بنانے کا ہے۔ چھ بڑے بینکوں میں دونوں رجحانات کی تکمیل پوری طرح نہیں ہوئی لیکن کافی ہوئی ہے اور مساوی درجے تک۔ "

اکثر صنعتی اور تجارتی حلقے بینکوں کی "دہشت پسندی" کی شکایت کرتے ہیں۔ اور ایسی شکایتوں کا ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کیونکہ بڑے بینک "حکم چلاتے" ہیں جیسا کہ ذیل کی مثال سے دیکھا جا سکتا ہے۔19 نومبر 1901 کو برلن کے "ڈ" ایک بڑے بینک نے (چار سب سے بڑے بینکوں کے نام "ڈ" سے شروع ہوتے ہیں)جرمن وسطی شمال مغربی سیمنٹ سینڈیکیٹ کو یہ خط لکھا " جیسا کہ ہمیں ایک اخبار کے 18 تاریخ کے شمارے میں شائع شدہ آپ کے نوٹس سے معلوم ہوا

ہمیں اس کا امکان سمجھنا چاہئے کہ آپ کے سینڈیکیٹ کے اگلے عام جلسے میں جو اس مہینے کی 30 تاریخ ہوگا، ایسے اقدامات کا فیصلہ کیا جائے گا جن کے نتیجے میں آپ کے کارخانے میں ایسی تبدیلیاں ہوسکیں گی جو ہمارے لئے نا قابل قبول ہوں گی، ہمیں بہت افسوس ہے کہ ان وجوہ سے ہم اس وقت سے وہ قرض بند کرنے پر مجبور ہیں جو ابھی تک آپ کو دیا جا رہا تھا۔لیکن اگر یہ عام جلسہ ایسے اقدامات کا فیصلہ نہیں کرتا جو ہمارے لئے نا قابل قبول ہیں اور اگر مستقبل کے لئے اس معاملے میں ہمیں مناسب ضمانت ملتی ہے تو ہم نئے قرض کی منظوری پر گفتگو شروع کرنے کے لئے بخوشی سے تیار ہوں گے۔

dr.oscar.stillich, geld-und bankwesen,berlin.1907.s.148.

درحقیقت چھوٹے سرمائے کی یہ شکایت پرانی ہے کہ بڑا سرمایہ اس کو دباتا ہے۔لیکن یہاں پورا سینڈیکیٹ اس "چھوٹے "سرمائے کے زمرے میں آگیا چھوٹے اور بڑے سرمائے کے درمیان پرانی کشمکش اب ایک نئی اور ارتقا کی بہت ہی بلند منزل پر جاری ہوگئی ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ بڑے بینک والے ارب پتی کارخانے ایسے ذرائع سے ٹکنیکی ترقی کو تیزی سے آگے بڑھا سکتے ہیں جن کا مقابلہ ماضی کے ذرائع سے نہیں کیا جا سکتا۔مثلاً بینک مخصوص ٹکنیکی تحقیقاتی سوسائٹیاں قائم کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ صرف "دوست" صنعتی کارخانے ان کے کام سے مستفید ہوتے ہیں۔اس زمرے میں " ریلوے تحقیقاتی انجمن " اور سائنسی اور ٹکنیکی تحقیقات کا مرکزی بیورو "وغیرہ آتے ہیں۔

بڑے بینکوں کے ڈائریکٹر خود بھی یہ دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قومی معیشت کے

نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں لیکن وہ ان مظاہر کے سامنے بے بس ہیں۔

ہینڈ ریلس لکھتا ہے "جس نے بھی حالیہ برسوں میں ڈائریکٹروں اور بڑے بینکوں کے نگراں بورڈوں کے ممبروں میں تبدیلی کا مطالعہ کیا ہے اس نے یہ ضرور دیکھا ہوگا کہ رفتہ رفتہ اختیارات ان لوگوں کے ہاتھ میں جا رہے ہیں جو صنعت کی عام ترقی میں بڑے بینکوں کی سرگرم مداخلت کو ضروری اور بڑھتی ہوئی اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں۔ان نئے لوگوں اور پرانے بینک ڈائریکٹروں کے درمیان اس موضوع پر کاروباری اور اکثر ذاتی نوعیت کے اختلافات بڑھ رہے ہیں۔سوال یہ ہے کہ آیا بینک، قرض دینے والے اداروں کی حیثیت سے، صنعت میں اس مداخلت سے گھاٹے میں رہیں گے یا نہیں، آیا وہ اہم اصول اور یقینی نفع کو قربان کر رہے ہیں تاکہ سرگرمیوں کے ایسے نئے میدان میں داخل ہوں جو قرض فراہم کرنے میں ان کے بچوانی کے رول سے ذرا بھی مشابہت نہیں رکھتا اور بینکوں کو ایسی جگہ لئے جا رہا ہے جہاں وہ تجارتی اتار چڑھاؤ کی اندھی طاقتوں کے رحم وکرم پر پہلے سے زیادہ ہوں گے۔یہ رائے بہت سے پرانے بینک ڈائریکٹروں کی ہے جبکہ زیادہ تر نوجوان لوگ صنعت کے سوالات میں سرگرم مداخلت اتنی ہی بڑی ضرورت سمجھتے ہیں جس نے، موجودہ بڑی صنعت کے ساتھ بڑے بینکوں اور جدید ترین صنعتی بینک کے کاروبار کو جنم دیا ہے۔دونوں فریق صرف ایک نئی بات پر متفق ہیں کہ بڑے بینکوں کی نئی سرگرمیوں میں نہ تو کوئی پختہ اصول ہیں اور نہ ٹھوس مقصد۔"ہینڈ ریلس، متذکرہ کتاب، صفحات 184-183-

پرانی سرمایہ داری کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔نئی سرمایہ داری کسی چیز کی طرف عبور ہے۔یہ یقیناً عبث ہے کہ اجارے داری کا آزاد مقابلے سے "ملاپ" کرانے کے

لئے "پختہ اصول اور ٹھوس مقصد" تلاش کئے جائیں۔عملی لوگوں کا اعتراف بالکل ایسا نہیں ہے جیسی کہ وہ سرکاری تعریفیں جو "منظم" سرمایہ داری کی دلکشی کے بارے میں اس کے وکیل شولتسے گے ویرنیتیس، لیفمان اور اسی طرح کے "نظریہ دان" کرتے ہیں۔

بڑے بینکوں کی "نئی سرگرمیاں" مختتم طور پر ٹھیک کس وقت چالو ہوئیں؟ یینڈیلس نے اس اہم سوال کا کافی ٹھیک جواب دیا ہے۔" صنعتی اداروں کے رابطے _ اپنے نئے مافیہ، اپنی نئی شکلوں اور اپنے نئے اداروں یعنی بڑے بینکوں سے جو بیک وقت مرکوز اور غیر مرکوز دونوں بنیادوں پر منظم کئے گئے ہیں، مشکل سے دسویں دہائی سے پہلے ایک خاص قومی معاشی مظہر کی حیثیت سے قائم ہوئے ہیں۔ایک معنی میں یہ ابتدائی تاریخ 1897 تک ضرور لے جائی جاسکتی ہے جب اہم "انضمام" ہوئے اور جب پہلی مرتبہ غیر مرکوز تنظیموں کی نئی شکل بینکوں کی صنعتی پالیسی کے مطابق رائج کی گئی۔ یہ ابتدائی نقطہ اس سے بھی بعد کی تاریخ تک لے جایا جاسکتا ہے کیونکہ صرف 1900 کے بحران نے صنعت اور بینک کے کاروبار کے ارتکاز کے عمل کو بڑی حد تک آگے بڑھایا اور مستحکم کیا، پہلی مرتبہ صنعت کے ساتھ رابطے کو بڑے بینکوں کی اصلی اجارے داری میں تبدیل کیا اور اس رابطے کو زیادہ قریبی اور سرگرم بنایا۔"یینڈیلس، متذکرہ کتاب، صفحہ 181۔

لہذا بیسویں صدی، پرانی سے نئی سرمایہ داری میں داخل ہونے کا، عام طور پر سرمائے کے تسلط سے مالیاتی سرمائے کے تسلط میں داخلے کا موڑ بن گئی۔

3۔مالیاتی سرمایہ اور مالیاتی اولیگارشی

ہیلفرڈنگ لکھتا ہے "صنعت میں سرمائے کے بڑھتے ہوئے حصے پر سے ان

صنعت کاروں کی ملکیت ختم ہوتی جاتی ہے جواس کو استعمال کرتے ہیں۔وہ اس کو صرف بینک کے ذریعہ استعمال کرسکتے ہیں جوان صنعت کاروں کے تعلق سے اس سرمائے کے مالکوں کی نمائندگی کرتا ہے۔دوسری طرف، بینک اس بات پر مجبور ہے کہ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ سرمایہ صنعت میں لگائے۔اس وجہ سے بینکر زیادہ سے زیادہ سرمایہ دار بنتا جاتا ہے۔بینک کے اس سرمائے کو یعنی زر کی شکل میں سرمائے کو جو عملی طور پر اس طریقے سے صنعتی سرمائے میں تبدیل ہوجاتا ہے میں مالیاتی سرمایہ کہتا ہوں"۔مالیاتی سرمایہ وہ سرمایہ ہے جس کو بینک کنٹرول کرتے ہیں اور جس کو صنعت کار استعمال کرتے ہیں۔ (ھیلفر ڈنگ، ''مالیاتی سرمایہ'' ۔ ماسکو، 1912، صفحات338_339)۔

اس تعریف میں یہ کمی ہے کہ وہ ایک بہت ہی اہم حقیقت نہیں دکھاتی، یعنی پیداوار اور سرمائے کے ارتکاز میں اس شدید حد تک اضافہ، جب ارتکاز اجارے داری تک پہنچ رہا ہے اور پہنچ گیا ہے۔لیکن اپنی ساری کتاب میں اور خصوصاً ان دو ابواب میں جو اس باب سے پہلے ہیں جس سے یہ تعریف لی گئی ہے،ہیلفر ڈنگ نے سرمایہ دار اجارے داریوں کے رول پر زور دیا ہے۔پیداوار کا ارتکاز، اس سے پیدا ہونے والی اجارہ داری، بینکوں کا صنعت کے ساتھ انضمام یا ارتباط_یہ ہے مالیاتی سرمائے کے نمودار ہونے کی تاریخ اور اس اصطلاح کا مافیہ۔

اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ اجناس کی پیداوار اور نجی ملکیت کے عام حالات میں سرمایہ دار اجارے داریوں کی" کاروباری کاروائیاں "لازمی طور پر مالیاتی اولیگارشی (financial-oligarchy) کے تسلط کی طرف لے جاتی ہیں۔اس کی طرف دھیان دینا چاہئے کہ جرمن بورژوا عالم (اور صرف جرمن ہی نہیں) جیسے ریسر،

شولتسے گے ویرنیتیس اور لیفمان وغیرہ سب کے سب سامراج اور مالیاتی سرمائے کی وکالت کرنے والے ہیں۔اولیگارشی کی تشکیل کی "مشیری" اس کے طریقوں، اس کی "جائز اور نا جائزہ" آمدینوں کی مقدار، پارلیمنٹ سے اس کے رابطے وغیرہ وغیر کو فاش کرنے کے بجائے وہ یا تو ان پر پردہ ڈالتے ہے یا پھر حسین بنا کر ان کو بیان کرتے ہیں۔وہ ان "پریشان کن سوالوں" سے بلند بانگ اور مبہم جملوں، بینک ڈائریکٹروں سے "احساس ذمے داری" کی اپیلوں، پروشیائی افسروں کے "احساس فرض" کی تعریف کے ذریعہ کتراتے ہیں اور "نگرانی" اور "باضابطگی" کے لئے انتہائی مضحکہ انگیز پارلیمانی قانونی مسودوں کی گھٹیا تفصیلات کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے ہیں اور نظریوں کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیلتے ہیں جیسے مثال کے طور پر پروفیسر لیفمان کی مندرجہ ذیل "عالمانہ" تعریف ہے:"...تجارت وہ صنعتی کارکردگی ہے جس کا مقصد اشیا کا اکٹھا کرنا، ذخیرہ کرنا اور فراہم کرنا ہے"۔

(R. Liefmann متذکرہ کتاب، صفحہ 476.)(خط کشیدہ الفاظ پروفیسر کے ہیں) اس کا یہ مطلب ہوا کہ قدیم آدمی کے دور میں بھی تجارت تھی جو اشیائے تبادلہ کے بارے میں نہیں جانتا تھا اور سوشلسٹ سماج میں بھی ہوگی۔

لیکن مالیاتی اولیگارشی کے شرمناک تسلط سے متعلق شرمناک حقائق نگاہوں میں ایسے نمایاں ہیں کہ تمام سرمایہ دار ملکوں میں، امریکہ میں، فرانس اور جرمنی میں ایسا ادب ظہور میں آیا جو بورژوا نکتہ نظر سے لکھا گیا، پھر بھی اس نے مالیاتی اولیگارشی کی تقریباً حقیقت آمیز تصویر پیش کی اور اس پر (ضرور پیٹی بورژوا) تنقید کی۔

اس "شرکت داری (holdiong) کے نظام" کو بہت اہمیت حاصل ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔جرمن ماہر معاشیات ھیُمان جس نے غالباً اس معاملے

کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی۔اس کے مافیہ کو یوں پیش کرتا ہے۔

"سربراہ بنیادی کمپنی کو کنٹرول کرتا ہے (لفظی معنی میں "ماں کمپنی" کو)اور پھر وہ اپنی ماتحت کمپنیوں ("دختر کمپنیوں") کا کنٹرول کرتی ہے جو اپنی باری میں ان سے زیادہ ماتحت کمپنیوں"_نواسی کمپنیوں" کو کنٹرول کرتی ہیں وغیرہ۔اس طرح نسبتاً کم سرمائے سے پیداوار کے وسیع حلقوں کو کنٹرول کرنا ممکن ہے۔دراصل،اگر 50 فیصدی سرمائے کی ملکیت کسی جوائنٹ اسٹاک کمپنی کو کنٹرول کرنے کے لئے ہمشیہ کافی ہے تو سربراہ کو "نواسی کمپنیوں" کا 80 لاکھ کا سرمایہ کنٹرول کرنے کے لئے 10 لاکھ کا سرمایہ کافی ہے۔اور اگر اس "باہمی" کو اور وسعت دی جائے تو اس دس لاکھ سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ،تین کروڑ بیس لاکھ وغیرہ کا سرمایہ کنٹرول کرنا ممکن ہے۔"

(Hans Gideon Heymann,die gemischten " werke im deutschen grosseisengewerbe, stuttgart, 1904, s.268-69)۔

درحقیقت تجربہ دکھاتا ہے کہ جوائنٹ اسٹاک کمپنی کے معاملات کی رہنمائی کرنے کے لئے 40 فیصدی حصوں کا مالک ہونا کافی ہے۔

(Liefmann, Beteiligungsgesellschaften, etc, s. پہلا ایڈیشن۔)

کیونکہ چھوٹے،منتشر حصے داروں کی ایک تعداد کے لئے عام جلسوں وغیرہ میں حاضر ہونا عملی طور پر ناممکن ہوتا ہے۔حصوں کی ملکیت کی "جمہوریت کاری" جس سے بورژوا سوفسطائی اور موقع پرست "نام نہاد سوشل ڈیموکریٹ" یہ توقع

رکھتے ہیں (یا یہ کہتے ہیں کہ وہ توقع رکھتے ہیں) کہ "سرمائے کی جمہوریت کاری" ہوگی اور چھوٹے پیمانے کی پیداوار کا رول اور اہمیت وغیرہ بڑھے گی دراصل مالیاتی اولیگارشی کی طاقت بڑھانے کا ایک طریقہ ہے۔ اسی لئے، بر سبیل تذکرہ ترقی یافتہ یا زیادہ پرانے اور زیادہ "تجربےکار" سرمایہ دار ملکوں میں قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کم قیمت کے حصے جاری کئے جائیں، جرمنی میں قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک ہزار مارک سے کم کے حصے جاری کئے جائیں اور جرمن مالیات کے سیٹھ برطانیہ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جہاں ایک پونڈ (=20 مارک، تقریباً 10 روبل) کے حصے جاری کرنے کی اجازت ہے۔ سیمینس نے، جو جرمنی کا ایک بہت ہی بڑا صنعت کار اور "مالیاتی بادشاہوں" میں سے ہے، 7 جون 1900 کو رائخ ستاگ میں کہا کہ "ایک پونڈ کا حصہ برطانوی سامراج کی بنیاد ہے۔ schulze-gaevernitz in grudrass der sozialokonomik,v.2,s.110." یہ تاجر سامراج کے بارے میں بہت گہری اور زیادہ "مارکسی" سوجھ بوجھ رکھتا ہے بمقابلہ اس بدنام مصنف کے جو روسی مارکس ازم کا بانی (20) سمجھا جاتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ سامراج کسی قوم کی بری عادت ہے...

لیکن ''شرکت داری کا نظام '' صرف اجارے داروں کی طاقت میں زبردست اضافہ ہی نہیں کرتا بلکہ ان کو اس قابل بھی بناتا ہے کہ وہ بے دھڑک پبلک کو دھوکہ دینے کے لئے ہر طرح کی مشتبہ اور گندی چالیں چلیں کیونکہ باضابطہ طور پر، قانون کے مطابق "ماں کمپنی" کے ڈائریکٹر "دختر کمپنی" کے لئے ذمے دار نہیں ہیں جو "خود مختار" سمجھی جاتی ہے اور جس کے ذریعہ سب کچھ "کھینچا" جا سکتا ہے۔

یہاں جرمن رسالے "بینک" کے مئی 1914 کے کتابچے سے یہ مثال پیش کی جاتی ہے۔

" کاسیل کی "اسپرنگ اسٹیل کمپنی" چند سال پہلے تک جرمنی میں انتہائی نفع بخش کمپنی سمجھی جاتی تھی۔ بدانتظامی کی وجہ سے کمپنی کا منافع 15 فیصدی سے گر کر صفر فیصدی تک پہنچ گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ بورڈ نے حصہ داروں سے مشورہ کئے بغیر 60 لاکھ مارک اپنی ایک "دختر کمپنی"۔ "ہاسیا کمپنی" کو قرض دے دیئے جس کے پاس صرف چند لاکھ مارک کا منظور شدہ سرمایہ تھا۔ اس قرض کا، جس کی رقم "ماں کمپنی" کے سرمائے کی تقریباً 3 گنی زیادہ تھی، واصل باقی میں کوئی اندراج نہیں تھا۔ قانونی طور پر یہ خاموشی بالکل جائز تھی اور دو سال تک رہ سکتی تھی کیونکہ اس سے تجارتی قانون کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی تھی۔ نگراں بورڈ کا صدر، جس نے ذمے دار سربراہ کی حیثیت سے جھوٹے واصل باقی پر دستخط کئے تھے، کاسیل کے ایوان تجارت کا صدر تھا اور اب بھی ہے۔ حصہ داروں نے "ہاسیا کمپنی" کو اس قرض کے بارے میں بہت دنوں بعد سنا جب یہ قرض غلطی ثابت ہوا ..." (مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ لفظ غلطی کو واوین میں لکھے) "اور جب "اسپرنگ اسٹیل کمپنی" کے حصوں کی قیمت تقریباً 100 فیصدی گر گئی کیونکہ جن لوگوں کو علم تھا وہ ان سے چھٹکارا حاصل کر رہے تھے۔

"واصل باقی میں بازی گری کی یہ نمونے کی مثال جو جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں میں کافی عام ہے یہ وضاحت کرتی ہے کہ ان کے ڈائریکٹروں کے بورڈ نجی کاروباریوں کے مقابلے میں ایسے خطرناک لین دین بہت زیادہ ٹھنڈے دل سے کیوں کرتے ہیں۔ واصل باقی کو مرتب کرنے کے جدید ترین طریقے صرف یہی امکان

نہیں دیتے کہ مشتبہ کاروبار کو معمولی حصہ داروں سے چھپایا جا سکے بلکہ اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ انتہائی غرض مند لوگ بروقت اپنے حصے فروخت کر کے ناکامیاب سٹے بازی کے نتائج سے بچ نکلیں جبکہ نجی کاروباری جو کچھ بھی کرتا ہے اپنے کو خطرے میں ڈال کر کرتا ہے...

بہت سی جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کے واصل باقی ہمیں قرون وسطی کی ان پالیمپ سیسٹوں کی یاد دلاتے ہیں جن سے نظر آنے والی تحریر پہلے مٹا دی جاتی تھی تا کہ اس کے نیچے کی تحریر دریافت کی جائے جو دستاویز کے اصل معنی بتاتی تھی" (پالیمپ سیسٹس وہ روغنی جھلی کے کاغذ ہیں جن پر اصل تحریر کو ڈھک کر دوسری لکھ دی گئی ہو)۔

"واصل باقی کو نا قابل فہم بنانے کا سب سے زیادہ سادہ اور اسی لئے انتہائی عام طور پر استعمال ہونے والا طریقہ یہ ہے کہ واحد کاروبار کو "دختر کمپنیاں" قائم کر کے یا ان کا الحاق کر کے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ مختلف قانونی اور غیر قانونی مقاصد کے لئے اس نظام کے فوائد اتنے عیاں ہیں کہ بڑی کمپنیاں جو اس کو استعمال نہیں کرتیں وہ بالکل استثنٰی سمجھی جاتی ہیں۔"

(L.Eschwege,tochtergesellschaften in die bank ,1914.i.s.545.)

ایک بڑی اور اجارہ دار کمپنی کی مثال کی حیثیت سے جو بڑے پیمانے پر یہ نظام استعمال کرتی ہے، مصنف نے مشہور "جنرل الیکٹرک کمپنی" (.A.E.G جس کا بعد کو ہم ذکر کریں گے) کا نام پیش کیا ہے۔ 1912 میں یہ حساب لگایا گیا تھا کہ اس کمپنی کے حصے دوسری 175 سے لیکر 200 تک کمپنیوں میں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ

ان پراس کا تسلط ہے اوراس طرح وہ مجموعی طور پر ڈیڑھ ارب مارک کا سرمایہ کنٹرول کرتی ہے۔

kurt heinig,der weg dws elektrotrusts in die neue zeit,1912,30.jahrg.2,s.484.۔

یہاں کنٹرول کے مختلف قاعدوں، واصل باقی کی اشاعت، ان کی مقررہ اسکیم کے مطابق ترتیب، اکاؤنٹ کی پبلک جانچ پڑتال وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے جن کی طرف نیک نیت پروفیسر اور افسران یعنی وہ لوگ جو سرمایہ داری کی وکالت اور تعریف کرنے کے لئے نیک نیت رکھتے ہیں، پبلک کی توجہ دلاتے ہیں۔ کیونکہ نجی ملکیت مقدس ہے اور کسی کو بھی حصے کو خریدنے، بیچنے، ان کا تبادلہ کرنے یا رہن کرنے کی ممانعت وغیرہ نہیں کی جاسکتی۔

بڑے روسی بینکوں میں جس حد تک یہ "شرکت داری کا نظام" بڑھا ہے اس کا اندازہ اے۔آگاد کے دیے ہوئے اعداد وشمار سے لگایا جا سکتا ہے۔وہ پندرہ سال تک روسی چینی بینک کا افسر تھا اور مئی 1914 میں ایک کتاب ذرا اس غلط عنوان سے شائع کی۔ "بڑے بینک اور عالمی منڈی"۔

E.Agahd,Grossbanken und grossbanken und weltmarkt .die wirtschaftliche und politische bedutung der grossbanken der grossbanken im weltmarkt unter berucksichti gung einflusses auf russlands volkswirtschaft und die deutsche russischen beziehungen,berlin.1914.

مصنف نے بڑے روسی بینکوں کو دو بنیادی گروپوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف) وہ بینک جو "شرکت داری کے نظام" میں آتے ہیں۔

(ب) "خودمختار" بینک۔

بہر حال "خودمختار" کے من مانے معنی یہ لے لئے گئے ہیں کہ وہ غیر ملکی بینکوں سے خودمختار ہیں۔ مصنف نے پہلے گروپ کو متعلقہ **ملک** کے بڑے بینکوں کی "شرکت داری" اور تسلط کو نظر میں رکھتے ہوئے تین تحتی گروپوں میں تقسیم کر دیا ہے:

(1) جرمن شرکت داری

(2) برطانوی شرکت داری

(3) فرانسیسی شرکت داری

مصنف نے بینکوں کے سرمائے کو لگے ہوئے "پیداواری" سرمائے (صنعت اور تجارت میں) اور "سٹے بازانہ" لگے ہوئے سرمائے (اسٹاک ایکسچینج اور مالیاتی کاروبار) میں تقسیم کیا ہے کہ سرمایہ دار نظام کے تحت پہلی طرح کے لگے ہوئے سرمائے کو دوسری طرح کے سرمائے سے الگ کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف شکل کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

یہاں مصنف کے اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں (خاکہ آگے دیکھئے۔ایڈیٹر۔

(

ان اعداد و شمار کے مطابق تقریباً چار ارب روبل میں سے جو بڑے بینکوں کا "سرگرم کار" سرمایہ ہیں، تین چوتھائی سے زیادہ یعنی تین ارب سے زیادہ ان بینکوں کی ملکیت ہیں جو دراصل غیر ملکی بینکوں کی "دختر کمپنیاں" ہیں اور خصوصاً پیرس کے بینکوں کی (تین مشہور بینک: "یونین پیرس"، "پیرس اور نیڈ رلینڈ" اور "سوسائٹی

جنزالے ")اور برلن کے بینکوں کی (خاص طور پر " جرمن بینک " اور " ڈیسکونتو گیسیل شافٹ ")۔دو سب سے بڑے روسی بینکوں "روسی "("غیر ملکی تجارت کے لئے روسی بینک ")اور "انٹرنیشنل " (" سینٹ پیٹرس برگ انٹرنیشنل کمرشل بینک) نے 1904-1912 کے دوران اپنا سرمائے چار کروڑ 40لاکھ روبل سے بڑھا کر 9 کروڑ 80لاکھ روبل کرلیا اور اپنا محفوظ سرمایہ ڈیڑھ کروڑ سے بڑھا کر 3 کروڑ 90لاکھ کرلیا" تین چوتھائی جرمن سرمایہ استعمال کرکے "۔ پہلا بینک برلن "جرمن بینک " کے " کنسرن" سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا برلن "ڈیسکونتو گیسیل شافٹ "سے۔نیک آگاد اس بات سے بہت ناراض ہیں کہ حصوں کی اکثریت برلن بینکوں کے پاس ہے اور اسی وجہ سے روسی حصے دار بے بس ہیں۔ظاہر ہے کہ جو ملک سرمایہ برآمد کرتا ہے،وہ بالائی اتارتا ہے۔مثال کے طور پر برلن "جرمن بینک " نے سائبیر یائی تجارتی بینک کے حصے برلن مارکیٹ میں لانے سے پہلے ان کو پورے سال بھر تک اپنے بیگ میں رکھا اور پھر ان کو 100 کے لئے 193 کی شرح سے بیچ دیا یعنی تقریباً دگنی پر اور تقریباً 60 لاکھ روبل کمایا جن کو ہیلفر ڈنگ "ترغیب دینے والوں کا نفع" کہتا ہے۔

روسی بینکوں کے گروپ

لگے ہوئے سرمائے

پیداواری

سٹے بازانہ

کل میزان

الف(1)چار بینک :سائبیریائی تجارتی،روسی،انٹرنیشنل اور ڈسکاونٹ بینک

الف (2) پانچ بینک: روسی__ ایشیائی، سینٹ پیٹرس برگ پرائیویٹ، آزوف دون، بونین ماسکو، روسی__ فرانسیسی تجارتی

413.7

239.3

711.8

859.1

169.1

661.2

1272.8

408.4

1373.0

(11بینک)میزان:الف_

1364.8

1689.4

3054.2

ب۔آٹھ بینک: ماسکو کے تاجروں کا والگا۔کام، یونکر اینڈ کمپنی، سینٹ پیٹرس برگ تجارتی (سابق واویل برگ)، ماسکو بنک (سابق ریابوشینسکی)، ماسکو ڈسکاؤنٹ، ماسکو تجارتی، ماسکو پرائیویٹ

504.2

391.1

895.3

(19 بینک)میزان

1869.0

2080.5

3949.5

ہمارا مصنف سینٹ پیٹرس برگ کے بڑے بینکوں کی " صلاحیت "8 ارب 23 کروڑ 50 لاکھ روبل، تقریباً سوا آٹھ ارب بتاتا ہے اور "شرکت داریوں "یا جس حد تک غیر ملکی بینک ان پر تسلط رکھتے ہیں، اس کا یہ تخمینہ دیتا ہے۔فرانسیسی بینک 55 فیصدی، برطانوی 10 فیصدی، جرمن 35 فیصدی۔مصنف کے حساب کے مطابق کام لگے ہوئے کل 8 ارب 23 کروڑ روبل کے سرمائے میں تین ارب 67 کروڑ 70 لاکھ روبل یا 40 فیصدی سے زیادہ "پرووداوگول " اور " پرودامیت " سینڈیکیٹوں سے اور تیل، دھات سازی اور سمینٹ کی صنعتوں کی سینڈیکیٹوں سے منسلک ہیں۔اس طرح سرمایہ دارنہ اجارے داراریوں کی تشکیل کی وجہ روس میں بینکوں اور صنعت کے سرمائے کے انضمام نے بھی زبردست قدم بڑھائے ہیں۔

مالیاتی سرمایہ چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر اور عملی طور پر اجارہ داری بن کر کمپنیاں قائم کر کے، کاغذات زر جاری کر کے اور ریاستی قرضوں وغیرہ سے زبردست اور برابر بڑھتا ہوا نفع کما کر مالیاتی اولیگارشی کے تسلط کو مضبوط کرتا ہے اور اجارے داروں کے مفاد کے لئے پورے سماج پر خراج عائد کرتا ہے۔امریکی ٹرسٹوں کے " کاروباری "طریقوں کی کثیر تعداد مثالوں میں سے یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس کا حوالہ ہیلفر ڈنگ نے دیا ہے۔ 1887 میں ہاوے میئر نے 15

چھوٹی فرموں کو ملا کر جن کا مجموعی سرمایہ 65 لاکھ ڈالر تھا، شکر کا ٹرسٹ قائم کیا۔ امریکی محاورے کے مطابق مناسب طریقے سے "سیراب "ہو کر ٹرسٹ کے سرمائے کا اعلان 5 کروڑ ڈالر کیا گیا۔ '' افراط سرمایہ '' (over-capitalisation) نے مستقبل کے اجارہ دارانہ نفع کی پیش بندی اسی طرح کی جیسے ریاستہائے متحدہ امریکہ کا فولاد کارپوریشن لوہے کی کانیں زیادہ سے زیادہ خرید کر مستقبل کے اجارہ دارانہ نفع کا تخمینہ لگالیتا ہے۔ درحقیقت شکر کے ٹرسٹ نے اجارہ دارانہ قیمتیں قائم کردیں جن سے اس کو اتنا نفع ملا کہ وہ حصوں پر 10فی صدی نفع، سات گنے "سیراب" سرمائے پر یا ٹرسٹ کی تشکیل کے وقت درحقیقت لگائے ہوئے سرمائے پر تقریباً 70فی صدی نفع حصے داروں کو تقسیم کرسکا! 1909 میں شکر کے ٹرسٹ کا سرمایہ 9 کروڑ ڈالر تھا۔22 سال میں اس نے اپنا سرمایہ 10 گنے سے زیادہ کرلیا۔

فرانس میں "مالیاتی اولیگارشی" کے تسلط نے ("فرانس میں مالیاتی اولیگارشی کے خلاف "لیزس کی مشہور کتاب کا نام جس کا پانچواں ایڈیشن 1908 میں شائع ہوا) جو شکل اختیار کی وہ تھوڑی ہی مختلف تھی۔چار انتہائی طاقتور بینک کاغذات زر جاری کرنے میں محض نسبتی نہیں بلکہ " قطعی اجارہ داری" رکھتے ہیں۔حقیقت میں یہ "بڑے بینکوں کا ٹرسٹ " ہے۔اور اجارہ داری بانڈ کے اجرا سے اجارہ دارانہ نفع کی ضمانت دیتی ہے۔عام طور پر قرض لینے والا ملک قرض کی رقم کے 90فیصدی حصے سے زیادہ نہیں پاتا، بقیہ 10فیصدی بینک اور دوسرے دلالوں کو مل جاتا ہے۔روسی چینی قرض کی 40 کروڑ فرانک کی رقم سے بینکوں نے 8فیصدی منافع کمایا۔ 80 کروڑ فرانک کے روسی قرض (1904) سے 10فیصدی کا نفع ہوا اور 6 کروڑ

25لاکھ فرانک کے مراکشی قرض (1904) سے یہ نفع 18.75 فیصدی تھا۔سرمایہ داری جس نے اپنا ارتقا چھوٹے سود خور سرمائے سے شروع کیا تھا۔اب اپنے ارتقا کا خاتمہ زبردست سود خور سرمائے پر کر رہی ہے۔لیزس نے لکھا ہے "فرانسیسی یورپ کے سود خور مہاجن ہیں"۔سرمایہ داری کی اس تبدیلی کی وجہ سے معاشی زندگی کے تمام حالات میں گہری تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔آبادی میں ٹھہراؤ اور صنعت،تجارت اور جہاز رانی میں جمود کی صورت میں "ملک" سود خوری سے امیر ہو سکتا ہے۔ "پچاس اشخاص 80 لاکھ فرانک سرمائے کی نمائندگی کرکے چار بینکوں میں جمع کئے ہوئے دو ارب فرانک کنٹرول کر سکتے ہیں"۔"شرکت داری کے" نظام کا بھی جس سے ہم واقف ہو چکے ہیں، یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک سب سے بڑا بینک "سوسائٹی جنرالے" (Societe Generale) اپنی "دختر کمپنی" "شکر کے مصر کارخانوں" کے لئے 64ہزار بانڈ جاری کر دیتا ہے۔یہ بانڈ 150 فیصدی پر جاری کئے جاتے ہیں یعنی بینک کو ایک روبل پر 50 کوپک کا نفع ہوتا ہے۔نئی کمپنی کے نفع کے حصے جعلی نکلے اور "پبلک" کو 9 کروڑ سے 10 کروڑ فرانک تک کا نقصان ہوا۔ "سوسائٹی جنرالے" کا یک ڈائریکٹر شکر کے کارخانوں کے ڈائریکٹروں کے بورڈ کا ممبر تھا۔"یہ حیرت کی بات نہیں کہ مصنف کے اس نتیجے پر پہنچا: "فرانسیسی ریپبلک ایک مالیاتی شاہی ہے"؛ یہ مالیاتی اولیگارشی کا مکمل تسلط ہے؛موخر الذکر پریس اور حکومت پر حاوی ہے۔

Lysis, Contre L'oligarchie financiere en France, 5 ed. Paris, 1908_ pp. 11, 12, 26, 39, 40, 48.

بانڈ کے اجرا سے جو مالیاتی سرمائے کا ایک خاص کارمنصبی ہے، حاصل ہونے والے غیر معمولی نفع کی شرح مالیاتی اولیگارشی کے ارتقا اور استواری میں اہم رول ادا کرتی ہے۔" اس قسم کا واحد کاروبار ملک میں نہیں ہے جو غیر ملکی قرضے جاری کرنے کی دلالی سے حاصل ہونے والے اتنے بڑے نفع کے تقریباً برابر بھی پہنچتا ہو" جرمن رسالہ "بینک" کہتا ہے۔ Die Bank; 1913, No, 7,s 630.

"بینک کے کاروبار میں کوئی بھی کام مقابلتاً اتنا نفع بخش نہیں ہوتا جتنا کاغذات زر (securities) کا اجرا"۔ جرمن اکانومسٹ" کے بیان کے مطابق صنعتی کاغذات زر stock جاری کرنے سے نفع کا سالانہ اوسط مندرجہ ذیل ہوتا تھا۔

فیصدی

1890

38.6

1896

36.1

1897

66.7

1898

67.7

1899

66.9

190

55.2

" دس سال میں 1891 سے 1900 تک جرمن صنعتی کاغذات زر stock جاری کرنے سے ایک ارب سے زیادہ مارک کمائے گئے۔"

Stillich, op. cit., S. 143, also W. Sombart, Die Deutsche

صنعتی گرم بازاری کے ادوار میں مالیاتی سرمائے کے منافع بہت زیادہ ہو جاتے ہیں لیکن سرد بازاری کے ادوار میں چھوٹے اور غیر مضبوط کاروباروں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے بینک ان کو بہت سستا خرید کر "شرکت داری" حاصل کر لیتے ہیں یا ان کی "تعمیر نو" اور " تنظیم نو" کی نفع بخش اسکیموں میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کاروباروں کی "تعمیر نو" میں جو نقصان پر چلتے ہیں، "حصوں کا سرمایہ گھٹ جاتا ہے یعنی نفع کم سرمائے پر تقسیم ہوتا ہے اور اسی کم بنیاد پر اس کا حساب ہوتا رہتا ہے۔یا اگر نفع مندی صفر تک گر جاتی ہے تو نیا سرمایہ لیا جاتا ہے جو پرانے اور کم نفع دینے والے سرمائے کے ساتھ مل کر مناسب نفع دیتا ہے۔"ہیلفرڈنگ اضافہ کرتا ہے" برسبیل تذکرہ یہ تمام تعمیر نو اور تنظیم نو بینکوں کے لئے دوہری اہمیت رکھتے ہیں: اول نفع بخش لین دین کی حیثیت سے اور دوسرے، مشکل حالات میں مبتلا کمپنیوں پر کنٹرول کے مواقع حاصل کرنے کے لئے"۔(مالیاتی سرمایہ۔صفحہ 172)

یہاں ایک مثال ہے۔ڈورٹمنڈ کی "یونین" کان کنی کمپنی 1872 میں قائم کی گئی تھی۔ حصوں کا سرمایہ تقریباً 4 کروڑ مارک جاری کیا گیا اور جب اس نے اپنے پہلے سال کے لئے 12 فی صدی نفع بانٹا تو حصوں کی بازاری قیمت 170 فیصدی تک اونچی ہوگئی۔مالیاتی سرمائے نے بالائی اتار لی اور کوئی دو کروڑ اسی

لاکھ مارک کما لئے ۔اس کمپنی کا خاص بانی وہی سب سے بڑا جرمن "ڈیسکونتو گیسیل شافٹ "بینک تھا جواتنی کامیابی سے 30 کروڑ مارک کے سرمائے تک پہنچا تھا۔بعد کو"یونین کمپنی کے حصوں کا نفع گر کر صفر ہو گیا۔حصہ داروں کوسرمایہ " کم کرنے "پر راضی ہونا پڑا یعنی اس کے کچھ حصے سے دست بردار ہونے پر تاکہ سارا سرمایہ نہ کھو بیٹھیں ۔"تعمیر نو"کے پورے سلسلوں سے تیس سال کے دوران 7 کروڑ 30 لاکھ سے زیادہ مارک "یونین" کمپنی کے کھاتوں سے نکال دیے گے۔"فی الحال اس کمپنی کے ابتدائی حصے دار اپنے حصوں کی ابتدائی قیمت کی صرف 5 فیصدی کے مالک ہیں۔

(Stillich، متذکرہ کتاب کا صفحہ 138 اور Liefmann) لیکن بینکوں نے ہر "تعمیر نو" سے " کچھ نہ کچھ کمایا"۔

تیز رفتاری سے بڑھتے ہوئے شہروں کی مضافات میں قطعات زمین کی سٹے بازی مالیاتی سرمائے کے لئے خاص طور سے مفید ہے۔ یہاں بینکوں کی اجارہ داری زمین کے لگان کی اجارہ داری اور ذرائع رسل ورسائل کی اجارہ داری کے ساتھ ضم ہو جاتی ہے کیونکہ زمین کی قیمت میں اضافہ اوراس کو الگ الگ قطعوں میں نفع کے ساتھ بیچنے کے امکانات وغیرہ کا زیادہ تر انحصار شہر کے مرکز کے ساتھ اچھے ذرائع رسل ورسائل پر ہے۔ اور یہ ذرائع رسل ورسائل بڑی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جوان ہی بینکوں سے شرکت داری کے نظام اور بورڈوں میں نشستوں کے ذریعہ مربوط ہیں۔ اس کے نتیجے میں ہمیں وہ ملتا ہے جس کو رسالہ "بینک" کے مضمون نگار، جرمن مصنف ل۔ایشو یگے، جس نے زمین کے قطعات کے کاروبار اور رہن وغیرہ کا خاص طور سے مطالعہ کیا ہے، " دلدل" کہتا ہے۔شہری

مضافات کے قطعات کے لئے بے تحاشہ سٹے بازی، تعمیراتی فرموں کی تباہی جیسے جرمن فرم "بوسواؤاور کناؤایر" کی جس نے "انتہائی ٹھوس اور بڑے"، "جرمن بینک" کی مدد سے 10 کروڑ مارک حاصل کیے ظاہر ہے کہ "جرمن بینک" نے "شرکت داری" کے نظام کے ذریعہ کام کیا یعنی خفیہ طور پر، پس پردہ اور اس سے "صرف" ایک کروڑ 20 لاکھ مارک کا نقصان اٹھا کر نکل آیا۔ اس کے بعد چھوٹے کارخانہ داروں اور مزدوروں کی تباہی آئی جن کو جعلی تعمیراتی فرموں سے کچھ نہیں ملتا، برلن کی "ایماندار" پولیس اور انتظامیہ کے ساتھ جعلی سمجھوتے کیے گئے جن کا مقصد زمین کے قطعات کے بارے میں سرٹیفکیٹوں کے اجراء اور شہری کونسل سے عمارتیں بنانے کی اجازت لینے کا کام وغیرہ اپنے ہاتھ میں لینا تھا۔

("بینک" 1913، صفحہ 952، ایشو یگے "دلدل" ایضاً 1912، صفحہ 223 اور اگلے صفحے)

"امریکی اخلاقیات" جن کے خلاف یورپی پروفیسر اور نیک نیت بورژوا لوگ بہت مکاری سے اظہار ناراضگی کرتے ہیں، مالیاتی سرمائے کے دور میں ہر ملک میں حقیقی معنوں میں ہر بڑے شہر کی اخلاقیات بن گئی ہیں۔

1914 کی ابتداء میں برلن میں "ٹرانسپورٹ ٹرسٹ" کی تشکیل یعنی برلن کے تینوں ٹرانسپورٹ کاروباروں: شہر کی برقی ریلوے، ٹراموے کمپنی اور بس کمپنی کے درمیان "مفادات کی شراکت" کے قیام کی بات چل رہی تھی۔ "بینک" نے لکھا: "ہمیں معلوم تھا کہ یہ منصوبہ اسی وقت سے زیر غور تھا جب یہ معلوم ہوا تھا کہ بس کمپنی کے زیادہ تر حصے دوسری دو ٹرانسپورٹ کمپنیوں نے حاصل کر لئے ہیں ____ جو لوگ اس مقصد سے کام کر رہے ہیں، ہمیں ان کی اس بات پر پوری طرح یقین

کرنا چاہیے کہ ٹرانسپورٹ سروسوں کو متحد کر کے وہ کفایت کی امید کرتے ہیں جو نتیجے میں پبلک کے لئے نفع بخش ہوگی۔ لیکن اس حقیقت سے بات الجھ جاتی ہے کہ تشکیل کئے جانے والے ٹرانسپورٹ ٹرسٹ کے پیچھے بینک ہیں جو اگر چاہیں تو ذرائع ٹرانسپورٹ کو جن پر انہوں نے اجارہ داری قائم کر لی ہے، اس قیاس کے معقول ہونے پر یقین کر لینے کے لئے صرف یہ یاد کرنے کی ضرورت ہے کہ اس بڑے بینک کے مفادات جس نے الیکٹرک ریلوے کمپنی کی تشکیل کی ہمت افزائی کی تھی، کمپنی کی تشکیل کے وقت اس میں شامل ہو چکے تھے یعنی ٹرانسپورٹ کے اس کاروبار کے مفادات زمین کے قطعات کے کاروبار کے مفادات سے مل جل چکے تھے۔نکتہ یہ ہے کہ اس ریلوے کی مشرقی لائن جس زمین پر سے گزرنے والی تھی، وہ اس بینک نے اپنے اور اس لین دین کے دوسرے حصے داروں کی خاطر اسی وقت زبردست نفع پر بیچ دی جب یہ بات یقینی ہوگئی کہ یہ لائن بنائی جائے گی ـــــــ"۔

اجارے داری کی جب ایک بار تشکیل ہو جاتی ہے اور کروڑوں کی رقمیں کنٹرول کرنے لگتی ہے تو وہ ناگزیر طور پر عام زندگی کے ہر شعبے میں، سیاسی ڈھانچے یا تمام دوسری "تفصیلات" کا لحاظ کئے بغیر، گھس جاتی ہے۔ جرمن معاشی ادب میں عام طور پر پروشیائی نوکر شاہی کی ایمانداری کی خود اپنے منہ تعریف، فرانسیسی پناما (21) یا امریکہ میں سیاسی بدعنوانیوں کی طرف اشاروں کے ساتھ ملتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بورژوا ادب تک کو جو جرمنی کے بینک کے کاروبار سے منسلک ہے، خالص بینک کے کاروبار کے میدان سے متواتر آگے جانا پڑتا ہے۔ مثلاً وہ "بینکوں کی دلکشی" کا ذکر اس سلسلے میں کرتے ہوئے کہ کس طرح

سرکاری افسروں کی بڑھتی ہوئی تعداد بینکوں کی ملازمت میں جارہی ہے، کہتا ہے:
"اس سرکاری افسر کی ایمانداری کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے جو دل ہی دل میں یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کو بیرین اشترا سے میں (برلن کی وہ سڑک جہاں "جرمن بینک" کا صدر دفتر ہے) کوئی اچھی جگہ مل جائے؟ (Der Zug zurBanks 1909(, in Die Bank ,1909,1,S.79. } میں "بینک" کے پبلشر الفریڈ لانسبرگ نے ایک مضمون "بازنطین ازم کی اہمیت" کے عنوان سے لکھا جس میں ولیم ثانی کے دورہ فلسطین اور "اس سفر کے فوری نتیجے ___ بغداد ریلوے کی تعمیر ___ جرمن کاروباری مہم جوئی کی اس عظیم مہلک پیداوار" کے بارے میں لکھا "جو ہماری تمام سیاسی غلطیوں کو ملا کر بھی "محاصرے" کی زیادہ ذمے دار ہے (ایضاً صفحہ 301) (یہاں محاصرے سے مطلب ایڈورڈ ہفتم کی پالیسی ہے جو جرمنی کو الگ کر کے اس کو سامراجی جرمن دشمن اتحاد سے گھیر لینے کی پالیسی تھی)۔ 1911 میں اسی رسالے کے مضمون نگار ایشو یگے نے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں، ایک مضمون "دولت شاہی اور نوکر شاہی" لکھا جس میں اس نے مثال کے طور پر فیللیر نامی جرمن افسر کے معاملے کو بے نقاب کیا جو ایک کارٹیل کمیشن کا سرگرم ممبر تھا اور بعد کو ایسا ہوا کہ اس نے سب سے بڑے کارٹیل، فولاد سینڈیکیٹ میں ایک اچھی آمدنی والی ملازمت حاصل کرلی۔ اس طرح کے دوسرے معاملوں نے جو کسی طرح بھی اتفاقی نہیں تھے، اس بورژوا مصنف کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا کہ "معاشی زندگی کے بہت سے شعبوں میں جس معاشی آزادی کی ضمانت جرمن دستور نے دی ہے، بے معنی بن گئی ہے" اور موجودہ دولت شاہی کے تحت "وسیع ترین سیاسی آزادی بھی ہم کو غیر آزاد لوگوں کی قوم میں تبدیل ہونے سے نہیں بچاسکتی۔ (DerZug zur

(Bank ,in Die Bank,1911,2,S.962.

جہاں تک روس کا سوال ہے ہم اپنے آپ کو صرف ایک مثال تک محدود رکھیں گے۔ کچھ سال ہوئے تمام اخباروں نے اعلان کیا کہ خزانے کے کریڈٹ شعبے کے ڈائریکٹر دادیدوف نے استعفیٰ دے دیا ہے تاکہ وہ ایک بڑے بینک کی ملازمت ایسی تنخواہ پر اختیار کر سکیں جو سمجھوتے کے مطابق کئی سال کے دوران دس لاکھ روبل سے زیادہ ہو گی۔ کریڈٹ شعبہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کا کام "ملک کے تمام کریڈٹ اداروں کی سرگرمیوں میں تال میل پیدا کرنا ہے" اور جو سینٹ پیٹرس برگ اور ماسکو کے بینکوں کو 80 کروڑ سے ایک ارب روبل تک امدادی رقمیں دیتا ہے۔

Der Zug zur Banks, in die Bank, 1911, 2, s 825; 1913, 2, s, 962.

یہ عام طور پر سرمایہ داری کی خصوصیت ہے کہ سرمائے کی ملکیت کو پیداوار میں سرمائے کے استعمال سے علیحدہ رکھا جاتا ہے، کہ نقد سرمائے اور صنعتی یا پیداواری سرمائے سے علیحدہ رکھا جاتا ہے اور یہ کہ مفت خور rentier کو جو بالکل زر سرمائے سے حاصل کی ہوئی آمدنی پر زندہ رہتا ہے، کاروبار کے منتظم سے اور ان تمام لوگوں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے جن کا سرمائے کے انتظام سے براہ راست تعلق ہے۔ سامراج یا مالیاتی سرمائے کا تسلط سرمایہ داری کی وہ اعلیٰ ترین منزل ہے جس میں یہ علیحدگی وسیع تناسب اختیار کر لیتی ہے۔ سرمائے کی تمام دوسری شکلوں پر مالیاتی سرمائے کی برتری کے معنی مفت خور اور مالیاتی اولیگارشی کا تسلط ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ مالی طور پر "طاقت ور" چند ریاستیں باقی ریاستوں سے نمایاں ہو جاتی

ہیں۔کس پیمانے پر یہ عمل ہو رہا ہے اس کا اندازہ ہر قسم کے کاغذات زر کے اجرا کے اعداد و شمار سے کیا جا سکتا ہے۔

"اعداد و شمار کے بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ کے اعلانیے میں

1۔نیئمارک نے بہت ہی عمدہ تفصیلی، مکمل اور موازنے والے اعداد و شمار شائع کئے ہیں جو ساری دنیا میں کاغذات زر securities کے اجرا کو محیط کرتے ہیں جن کا معاشی ادب میں جزوی طور پر بار بار حوالہ دیا گیا ہے۔اس نے چار دہائیوں کے لئے جو میزان دی ہیں، وہ یہاں پیش کی جاتی ہیں:

Bulletin de L'instituat international de statistigue, t. XIXm livr. H,

La Haye, 1912 چھوٹی ریاستوں کے بارے میں معلومات (دوسرا کالم) کا اندازہ 1902 کے اعداد و شمار میں 20 فیصدی کا اضافہ کر کے دکھایا گیا ہے۔

کاغذات زر کی مجموعی رقم دس سال میں

(ارب فرانک میں)

1871-1880

76.1

1881-1890

64.5

1891-1900

100.4

1901-1910

197.8

انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں ساری دنیا میں کاغذات زر کے اجرا کی کل رقم زیادہ ہوگئی خصوصاً ان قرضوں کی وجہ سے جو فرانسیسی پروشیائی جنگ کے سلسلے میں جاری کئے گئے تھے اور اس کے بعد جرمنی میں جوائینٹ سٹاک کمپنیوں کے قیام کی گرم بازاری کے دور کی وجہ سے۔ مجموعی طور پر یہ اضافہ انیسویں صدی کی آخری تین دہائیوں میں نسبتاً زیادہ تیز نہ تھا اور صرف بیسویں صدی کے پہلے دس سال میں 100 فیصدی کا زبردست اضافہ ہوا تھا۔ اس طرح بیسویں صدی کی ابتدا نہ صرف اجارے داریوں (کارٹیلوں، سینڈیکیٹوں اور ٹرسٹوں) کی ترقی میں ایک موڑ تھی جس کے بارے مین ہم پہلے کہہ چکے ہیں بلکہ مالیاتی سرمائے کے فروغ میں بھی۔

نیمارک کا تخمینہ ہے کہ 1910 میں ساری دنیا میں اجرا شدہ کاغذات زر کی مجموعی رقم تقریباً 8 کھرب 15 ارب فرانک تھی۔ ان رقوم کو ان میں سے گھٹا کر جن کے دہرائے جانے کا امکان ہے، یہ میزان 5 کھرب 70 ارب __ 6 کھرب رہ جاتی ہے جو مختلف ملکوں میں مندرجہ ذیل طریقے پر منقسم ہے (ہم چھ کھرب لیتے ہیں)

1910 میں کاغذات زر کی رقم

ارب فرانک میں

برطانیہ

ریاستہائے متحدہ امریکہ

فرانس

جرمنی

142

132

110

90

479

روس

31

آسٹریا، ہنگری

24

اٹلی

14

جاپان

12

ہالینڈ

12.5

بلجیم

7.5

ہسپانیہ

7.5

سوئزر لینڈ

5.25

ڈنمارک

3.75

سویڈن، ناروے اور رومانیہ وغیرہ

2.5

میزان

600

ان اعداد و شمار سے ہمیں صاف طور پر چار انتہائی امیر سرمایہ دار ملک نمایاں نظر آتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک کھرب سے ڈیڑھ کھرب فرانک تک کے کاغذات زر ہیں۔ ان چار ملکوں میں سے دو، برطانیہ اور فرانس، سب سے پرانے سرمایہ دار ملک ہیں اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے، سب سے زیادہ نوآبادیاں رکھتے ہیں۔ باقی دو، ریاستہائے متحدہ امریکہ اور جرمنی ایسے سرمایہ دار ملک ہیں جو صنعت میں سرمایہ دارا جارے داریوں کی ترقی کی تیز رفتاری اور توسیع کے لحاظ سے آگے آگے ہیں۔کل ملا کر یہ چار ملک 4 کھرب 79 ارب فرانک کے مالک ہیں یعنی عالمی مالیاتی سرمائے کے 80 فیصدی حصے کے۔ کسی نہ کسی طرح تقریباً باقی ساری دنیا ان بین الاقوامی بینکر ملکوں، عالمی مالیاتی سرمائے کے ان چار ستونوں کی کم وبیش قرضدار اور باجگذار رہے۔

اس رول کا جائزہ لینا خاص طور سے اہم ہے جو مالیاتی سرمائے کی دست نگری

اوراس کے تعلقات کے لئے بین الاقوامی جال پھیلانے میں سرمائے کی برآمد ادا کرتی ہے۔

4۔سرمائے کی برامد

آزاد مقابلے کے راج کے زمانے میں پرانی سرمایہ داری کی خصوصیت اشیا کی برآمد تھی۔سرمایہ داری کی تازہ ترین منزل کی خصوصیت جبکہ اجارے داریوں کا راج ہے،سرمائے کی برآمد ہے۔

ارتقا کی اعلیٰ ترین منزل میں اجناس کی پیداوار ___ سرمایہ داری ہے جب قوت محنت بھی جنس بن جاتی ہے۔ اندرون ملک تبادلے کی اور خصوصاً بین الاقوامی تبادلے کی ترقی سرمایہ داری کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔الگ الگ کارخانوں، الگ الگ صنعتی شاخوں اورا لگ الگ ملکوں کا ناہموار اور غیر مسلسل ارتقاسرمایہ دارانہ نظام میں ناگزیر ہے۔انگلستان دوسرے ملکوں سے پہلے سرمایہ دار ملک بنا اور انیسویں صدی کے وسط تک آزاد تجارت اختیار کرکے "دنیا کی ورکشاپ" اورتمام ملکوں کومصنوعات سپلائی کرنے کا دعویٰ کرنے لگا جنہیں تبادلے میں انگلستان کوخام اشیامہیا کرنا پڑتا تھا۔لیکن انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں انگلستان کی یہ اجارہ داری توڑی جا چکی تھی کیونکہ کئی دوسرے ملکیوں نے "حفاظتی" محصولوں کی پناہ لے کراپنے کوآزادسرمایہ دارریاستیں بنالیا تھا۔بیسویں صدی کی دہلیز پر پہنچتے ہوئے ہم ایک نئ قسم کی اجارہ داری کی تشکیل دیکھتے ہیں: اول سرمایہ دارانہ طریقے سے ترقی کرنے والے تمام ملکوں میں سرمایہ داروں کے اجارہ دارانہ اتحاد؛ دوسرے،چند بہت امیر ملکوں کی اجارہ دارانہ حیثیت جن میں سرمائے کا اجتماع زبردست ہوگیا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں بہت زیادہ "سرمایہ زائد" پیدا ہوگیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر سرمایہ دار نظام زراعت کو ترقی دے سکتا جواب ہر جگہ صنعت سے بہت پسماندہ ہے، اگر وہ عوام کا معیار زندگی بلند کر سکتا جو حیرت انگیز تکنیکی ترقی کے باوجود اب بھی بھوکے اور غربت زدہ ہیں تو سرمایہ زائد کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا۔ یہ "دلیل" اکثر سرمایہ دار نظام کے پیٹی بورژوا ناقد پیش کرتے ہیں۔ لیکن اگر سرمایہ دار نظام ایسا کرتا تو وہ سرمایہ نظام نہ ہوتا کیونکہ ناہموار ترقی اور عوام کا ایسا معیار زندگی جس میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا دونوں، پیداوار کے اس طریقے کے بنیادی اور نا گریز حالات اور اولیں شرط ہیں۔ جب تک سرمایہ دار نظام ایسا رہے گا جیسا کہ وہ ہے، سرمایہ زائد کسی **ملک** میں عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے نہیں استعمال کیا جائے گا کیونکہ اس کا مطلب سرمایہ داروں کے منافع میں کمی ہوگا بلکہ اسے پسماندہ ملکوں کو برآمد کر کے زیادہ نفع کمانے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ ان پسماندہ ملکوں میں نفع عام طور پر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ سرمائے کی **قلت** ہے، زمین کی قیمت نسبتاً کم ہے، اجرتیں بھی نیچی ہیں اور خام مال سستا ہے۔ سرمائے کو برآمد کرنے کا امکان اس لئے ہے کہ ابھی تک متعدد پسماندہ ملکوں کو عالمی سرمایہ داری نظام کے چکر میں گھسیٹا جا چکا ہے، بڑی بڑی ریلوے لائنیں ان ملکوں میں بنالی گئی ہیں یا بننا شروع ہوئی ہیں اور صنعتی ترقی کے لئے ابتدائی حالات وغیرہ پیدا کر لئے گئے ہیں۔ سرمائے کو برآمد کرنے کی ضرورت اس حقیقت سے پیدا ہوتی ہے کہ چند ملکوں میں سرمایہ دار نظام "زیادہ پک گیا" ہے اور (زراعت کی پسماندہ حالت اور عوام کی غربت کی وجہ سے) سرمائے کو "نفع بخش" طریقے سے لگانے کے لئے میدان نہیں ملتا۔

یہاں وہ اعداد و شمار تقریباً دیئے گئے ہیں جو دکھاتے ہیں کہ تین خاص ملکوں کا

کتنا سرمایہ غیر ملکیوں میں لگایا گیا ہے۔

Hobson, Imperialism, London, 1902. p. 58; Riesser, op. cit., S. 359 und 404; p. Arndi in Weltwirstschaftlliches Archiv. Bd. 7, 1916, S. 35; Neymarck in Bulletin; Hilferding, finance Capital, p. 492; Lloyd, George, Speech in the House of Commons, May 4, 1915; B. Harms, Probleme der Weltwirt schaft, Jena, 1912, S. 235 et seq. ; Dr Siegmund Schilder, Entwicklungstendenzen der Weltwirtschaft,Berlin, 1912, Band 1, S. 150; George Paish, Great Britain's Capital Investments, etc,. in Journal of th eRoyal Statistical Society, Vol. LXXIV, 1910-1911, p. 167 et seq.; Georges Diouritch, L'Expansion des banques allemandes a l'etranger, ses rapports avec le developpment economique de l' Allemagne, Paris, 1909, p. 84.

غیر ملکوں میں لگا ہوا سرمایہ

ارب فرانک میں

سال

برطانیہ

فرانس

جرمنی

1862

3.6

-

-

1872

15

10 (1869)

-

1882

22

15 (1880)

?

1893

42

20 (1890)

?

1902

62

27-37

12.5

1914

75- 100

60

44

یہ نقشہ دکھاتا ہے کہ سرمائے کی برآمد نے یہ زبردست صورت صرف 20ویں صدی کی ابتداء میں اختیار کی۔ جنگ سے پہلے تین خاص ملکوں کے غیر ملکوں میں لگے ہوئے سرمائے کی رقم ایک کھرب 75 ارب سے دو کھرب فرانک تک تھی۔ 5 فیصدی کی معتدل شرح سے اس رقم سے سالانہ آمدنی 8 ارب سے 10 ارب فرانک تک ہونی چاہیے جو مٹھی بھر امیر ترین ریاستوں کی سرمایہ دارانہ مفت خوری کی اور دنیا کی زیادہ تر قوموں اور ملکوں پر سامراجی ظلم اور استحصال کی ٹھوس بنیاد ہے!

بدلیس میں لگا ہوا یہ سرمایہ مختلف ملکوں میں کیسے بٹا ہوا ہے؟ یہ کہاں جاتا ہے؟ ان سوالوں کا صرف تقریباً جواب دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ موجودہ سامراج کے بعض عام تعلقات اور رابطوں پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہوگا

Table 75

دنیا کے مختلف حصوں میں غیر ملکی سرمائے کی (تقریباً) تقسیم (تقریباً)

1910 میں۔

ارب مارک میں

برطانیہ

فرانس

جرمنی

میزان

یورپ

4

23

18

45

امریکہ

37

4

10

51

ایشیا،افریقہ،آسٹریلیا

29

8

7

44

میزان

70

35

35

140

برطانوی سرمایہ لگانے کے خاص حلقے برطانوی نوآبادیاں ہیں جو ایشیاء وغیرہ کا ذکر تو کیا، امریکہ میں بھی کافی بڑی ہیں (مثلاً کینیڈا) اس معاملے میں سرمائے کی زبردست برآمد وسیع نوآبادیات سے مضبوطی کے ساتھ منسلک ہے۔ سامراج کے لئے ان کی اہمیت کے بارے میں ہم بعد کو بتائیں گے۔ فرانس کے معاملے میں صورت حال دوسری ہے۔ فرانسیسی سرمائے کی برآمد زیادہ تر یورپ کو ہے اور سب سے پہلے روس کو (کم از کم 10 ارب فرانک) یہ زیادہ تر قرض سرمایہ، سرکاری قرضے ہیں اور صنعتی کاروبار میں لگا ہوا سرمایہ نہیں ہے۔ برطانوی نو آبادیاتی سامراج کے برعکس فرانسیسی سامراج کو سود خور سامراج کہا جا سکتا ہے۔ جرمنی کے معاملے میں ہمیں تیسری قسم ملتی ہے۔ اس کی نوآبادیات بڑی نہیں ہیں اور باہر لگا ہوا سرمایہ یورپ اور امریکہ میں زیادہ متوازن طور پر تقسیم کیا گیا ہے۔

سرمائے کی برآمد ان ملکوں میں جہاں وہ جاتا ہے، سرمایہ داری کے ارتقا پر اثر انداز ہوتی اور اس کی رفتار کو بہت تیز کر دیتی ہے۔ اس لئے اگر ایک حد تک یہ ممکن ہے کہ سرمائے کی برآمد اس ملک کی ترقی کو روکے جس سے وہ برآمد کیا جاتا ہے لیکن یہ صرف اسی وقت ہوتا ہے جب ساری سرمایہ داری دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کی مزید ترقی کو وسیع اور گہرا کر دیا جائے۔

سرمائے کی بین اقوامی منڈی میں تھوڑے دنوں سے وہ کامیڈی ہورہی ہے جو آریستوفان کے لکھنے کے قابل ہے۔متعدد غیر ملک، ہسپانیہ سے لے کر بلقان کی ریاستوں تک، روس سے لیکر ارجنٹائن، برازیل اور چین تک کھلم کھلایا خفیہ طور بڑے زری منڈیوں میں قرضے مانگنے کے لئے آرہے ہیں اور کبھی کبھی یہ مطالبہ بہت اصرار کے ساتھ کرتے ہیں۔زری منڈیاں اس وقت مندی ہیں اور سیاسی حالت بھی امید افزا نہیں ہے۔لیکن زری واحد منڈی بھی اس خوف سے قرض دینے سے انکار کرنے کی جرات نہیں کرتی کہ کہیں اس کا پڑوسی پیش قدمی نہ کرجائے، قرض دینے پر راضی ہوجائے اور معاوضے میں کچھ خدمات حاصل کرلے۔ان بین الاقوامی لین دین میں قرض دینے والا ہمیشہ کوئی زائد فائدہ حاصل کرلیتا ہے کسی تجارتی معاہدے میں کوئی مفید دفعہ، کوئلہ کا اسٹیشن، سمندری گودی بنانے کا ٹھیکہ، کوئی بڑی رعایت یا اسلحہ کا آرڈر۔

die bank,1913,2,s,1024-1025۔

مالیاتی سرمائے نے اجارے داریوں کا دور پیدا کیا ہے اور اجارہ داریاں ہر جگہ اجارہ دارانہ اصول کا رائج کررہی ہیں، نفع بخش لین دین کے لئے کھلے بازار میں مقابلے کی جگہ "تعلقات" لے لیتے ہیں۔سب سے زیادہ عام بات یہ شرط ہوتی ہے کہ جو قرض منظور کیا گیا ہے اس کا ایک حصہ قرض دینے والے ملک میں خریداریوں پر خرچ کیا جائے گا، خصوصاً جنگی سامان یا جہازوں وغیرہ کے آرڈروں پر۔پچھلے دو دہائی برسوں کے دوران (1895-1910) فرانس نے اکثر یہ طریقہ اختیار کیا۔سرمائے کی برآمد اجناس کی برآمد بڑھانے کے ذریعہ بن جاتی ہے۔اس سلسلے میں خصوصاً بڑی فرموں کے درمیان لین دین ایسی صورت اختیار کرتا ہے جس

کو شیڈر نے schilder، متذکرہ کتاب، صفحات 381,350,346۔ "نرم" طریقے سے "بدعنوانی کی سرحد چھونے والا" کہا ہے۔ جرمنی میں کروپ، فرانس میں شنائڈر، برطانیہ میں آرم سٹرونگ ان فرموں کی مثالیں ہیں جو طاقتور بینکوں اور حکومتوں سے قریبی تعلقات رکھتی ہیں اور جب کوئی قرض جاری کیا جاتا ہے تو ان کو آسانی سے "نظر انداز" نہیں کیا جا سکتا۔

فرانس نے جب روس کے لئے قرض منظور کئے تو 16 ستمبر 1905 کے تجارتی معاہدے میں 1917 تک جاری رہنے والی مراعات کی شرط لگا کر اس کو "نچوڑ" لیا۔ اس نے یہی جاپان کے ساتھ 19 اگست 1911 کے تجارتی معاہدے میں کیا۔ سرحدی محصولوں کی جو جنگ آسٹریا اور سربیا کے درمیان 1906 سے 1911 تک، سات مہینے کے وقفے کے علاوہ چلتی رہی، اس کا ایک حد تک سبب وہ مقابلہ تھا جو آسٹریا اور فرانس کے درمیان سربیا کو جنگی سامان فراہم کرنے کے لئے چل رہا تھا۔ جنوری 1912 میں پول دیشانیل نے ایوان نمائندگان میں کہا کہ 1908 سے 1911 تک فرانسیسی فرموں نے سربیا کو ساڑھے چار کروڑ فرانک کا جنگی سامان فراہم کیا۔

ساں پاؤلو (برازیل) میں اسٹریائی ہنگریائی قونصل کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے "برازیلی ریلوے خاص طور سے فرانس، بلجیم، برطانیہ اور جرمنی کے سرمائے سے بنائی جا رہی ہے۔ یہ ملک ان ریلوے لائنوں سے متعلق مالیاتی سمجھوتوں میں ضروری ریلوے سامان کے آرڈر پانے کی شرط لگاتے ہیں"۔

اس طرح مالیاتی سرمایہ، صحیح معنوں میں، دنیا کے تمام ملکوں پر اپنا جال پھیلاتا ہے۔ اس عمل میں نوآبادیات میں قائم شدہ بینک اور ان کی شاخیں اہم رول ادا کرتی

ہیں۔جرمن سامراجی ان "پرانے" نوآبادیاتی ملکوں کو بڑے حسد سے دیکھتے ہیں جو اس لحاظ سے اپنے کو کفیل بنانے میں خاص طور سے "کامیاب" ہیں: 1904 میں برطانیہ کے 50 نوآبادیاتی بینک تھے جن کی 2298 شاخیں تھیں (1910 میں 72 بینک تھے جن کی 5449 شاخیں تھیں)؛ فرانس کے 20 بینک اور 136 شاخیں؛ہالینڈ کے 16 بینک اور 68 شاخیں اور جرمنی کے "صرف" 13 بینک اور 70 شاخیں تھیں۔ (Riesser، متذکرہ صفحات کتاب، چوتھا ایڈیشن، صفحہ 375 اور diouritch، صفحہ 283)دوسری طرف، امریکی سرمایہ دار انگریزوں اور جرمنوں سے جلتے ہیں۔ 1915 میں انہوں نے شکایت کی:۔" جنوبی امریکہ میں پانچ جرمن بینکوں کی 40 شاخیں اور پانچ برطانوی بینکوں کی 70 شاخیں ہیں ۔پچھلے 25 سال میں برطانیہ اور جرمنی نے ارجنٹائن، برازیل اور ارگوائے میں تقریباً 4 ارب ڈالر لگائے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ مجموعی طور پر ان تین ملکوں کی تجارت کے 46 فیصدی حصے دار ہیں۔

(The annals of American Academy of Political and Social Science,vol. lix ,may 1915,p,301)۔

اسی جلد میں صفحہ 331 پر ہم پڑھتے ہیں کہ مشہور ماہر اعداد و شمار پیئش نے مالیاتی رسالے "The Statist" کے پچھلے شمارے میں اس سرمائے کا تخمینہ 40 ارب ڈالر یعنی 2 کھرب فرانک لگایا ہے جو برطانیہ، جرمنی، فرانس، بلجیم اور ہالینڈ نے برآمد کیا ہے۔

سرمایہ برآمد کرنے والے ملکوں نے دنیا کو اپنے درمیان مجازی مفہوم میں تقسیم

کرلیا۔لیکن مالیاتی سرمائے کا نتیجہ دنیا کی براہ راست تقسیم ہے۔

5:سرمایہ داروں کے اتحادوں کے درمیان دنیا کی تقسیم

سرمایہ داروں کے اجارہ دارانہ اتحادوں ___ کارٹیل، سینڈیکیٹ اور ٹرسٹ ___ نے اپنے ملک کی صنعت پر کم وبیش مکمل ملکیت حاصل کر کے پہلے اس کی اندرونی منڈی کو اپنے درمیان تقسیم کیا۔ لیکن سرمایہ دار نظام میں اندرونی منڈی کا تعلق لازمی طور پر بیرونی منڈی سے ہوتا ہے۔سرمایہ دار نظام نے مدت ہوئی عالمی منڈی قائم کی تھی۔اور جس حد تک سرمائے کی برآمد بڑھتی گئی اور بڑے اجارہ دار اتحادوں کے غیر ملکی اور نوآبادیاتی رابطے اور "حلقہ ہائے اثر" میں ہر طرح سے توسیع ہوتی گئی، "قدرتی" طور پر معاملات ان اتحادوں کے درمیان بین الاقوامی سمجھوتے کی طرف، بین الاقوامی کارٹیلوں کی تشکیل کی طرف بڑھتے گئے تھے۔

یہ سرمائے اور پیداوار کے عالمی ارتکاز کی نئی منزل ہے جو پہلی منزلوں سے کہیں زیادہ اونچی ہے۔آیئے دیکھیں کہ اس بالا اجارے داری کا ارتقاء کیسے ہوتا ہے۔

بجلی کی صنعت تازہ ترین تکنیکی حاصلات کے لحاظ سے،19ویں صدی کے آخر اور20ویں صدی کی ابتدا کے سرمایہ دار نظام کے لئے بہت انتہائی مثالی ہے۔اس صنعت نے سب سے زیادہ نئے سرمایہ دار ملکوں کے دو لیڈر ملکوں یعنی ریاستہائے متحدہ امریکہ اور جرمنی میں ترقی کی ہے۔1900 کے بحران نے خاص طور پر جرمنی میں اس شعبے کے ارتکاز پر بڑا اثر ڈالا۔بحران کے دوران بینکوں نے جو اس وقت صنعت کے ساتھ کافی مدغم چکے تھے،نسبتاً چھوٹی فرموں کی تباہی اور بڑی فرموں میں ان کے انضمام کو بڑے پیمانے پر تیز اور شدید بنادیا۔ہڈلیس لکھتا ہے:

"بینکوں نے ان فرموں کو امداد دینے سے انکار کر دیا جن کو سرمائے کی بہت ضرورت تھی اور اس طرح پہلے ان کمپنیوں میں زبردست گرم بازاری پیدا کی اور پھر ان کو مایوس کن تباہی میں مبتلا کر دیا جو ان سے کافی قریبی ربط نہیں رکھتی تھیں ۔۔یئڈ یلس، متذکرہ کتاب،صفحہ 232۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1900 کے بعد ارتکاز نے زبردست قدم آگے بڑھائے۔1900 تک بجلی کی صنعت میں سات یا آٹھ " گروپ" تھے۔ہر ایک گروپ میں کئی کمپنیاں تھیں (کل ملا کر 28 تھیں)اور ہر ایک کی پشت پناہی 2 سے 11 تک بینک کر رہے تھے۔1908 اور 1912 کے درمیان یہ تمام گروپ دو یا ایک میں ضم ہو گئے۔مندرجہ ذیل خاکے میں دکھایا گیا ہے کہ یہ عمل کیسے ہوا:

1900 سے پہلے

فیلٹن اور گیلوم

لامیئر

یونین

اے۔ای۔جی

سیمنس اور حالسکے

شوکیرت اینڈ کمپنی

بیرگمان

/

بیرگمان

کومیر

/

1900 میں ختم ہوگئی۔

فیلٹن اور لامیئر

اے۔ای۔جی (جنرل الیکٹرک کمپنی

سیمنس اور ھالسکے۔شوکیرت

اے۔ای۔ جی (جنرل الیکٹرک کمپنی

سیمنس اور ہالکسے۔شوکیر

1912 میں

1908 سے کہر "اشتراک عمل"

مشہور اے۔ای جی (جنرل الیکٹرک کمپنی)جس نے اس طریقے سے ترقی کی، 175 سے 200 تک کمپنیوں پر ("شرکت داری" کے نظام کے ذریعہ) تسلط رکھتی ہے اور مجموعی طور پر تقریباً ایک ارب پچاس کروڑ مارک کے سرمائے کو کنٹرول کرتی ہے۔صرف غیر ملکوں میں اس کی 34 براہ راست ایجنسیاں ہیں جن میں سے بارہ جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں ہیں اور یہ سب 10 سے زیادہ ملکوں میں ہیں۔ 1904 ہی میں یہ تخمینہ تھا کہ بجلی کی جرمن صنعت کا غیر ملکوں میں لگایا ہوا سرمایہ 23 کروڑ 30 لاکھ مارک ہے، ان میں سے 6 کروڑ 20 لاکھ مارک روس میں لگے ہوئے تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "جنرل الیکٹرک کمپنی " ایک زبردست " مجتمع" ادارہ ہے (صرف اس کی مصنوعات پیدا کرنے والی کمپنیوں کی تعداد سولہ سے کم نہیں ہے)جو بہت ہی مختلف چیزیں بناتا ہے، کیبلوں اور حاجزوں

سے لے کر موٹر کاروں اور پرواز کرنے والی مشینوں تک۔

لیکن یورپ میں ارتکاز بھی امریکہ میں ارتکاز کے عمل کا ایک جزو تھا جس کا مندرجہ ذیل طریقے سے ارتقا ہوا۔

"جنرل الیکٹرک کمپنی"(General Electric Co)

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ٹامسن۔ہاوسٹن کمپنی نے یورپ میں ایک فرم قائم کی

ایڈیسن کمپنی نے یورپ میں "فرانسیسی ایڈیسن کمپنی" قائم کی جس نے اپنا پیٹنٹ جرم فرم کو منتقل کر دیا۔

جرمنی

یونین الیکٹرک کمپنی

"جنرل الیکرک کمپنی (اے۔ای۔جی۔

"جنرل الیکٹرک کمپنی"(اے۔ای۔جی)

اس طرح دو برقی "عظیم طاقتوں" نے تشکیل پائی۔ہینیگ نے اپنے مضمون "بجلی کے ٹرسٹ کا راستہ" میں لکھا: دنیا میں کوئی اور بجلی کی کمپنیاں نہیں ہیں جو ان سے مکمل طور پر آزاد ہوں۔" ان دو "ٹرسٹوں" کے کاروبار اور ان کے کارخانوں کی وسعت کا تصور جو مکمل نہیں ہے، مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے کیا جا سکتا ہے۔

سامان کی پیداوار

(10 لاکھ مارک میں)

ملازمین کی تعداد

خالص نفع

(10 لاکھ مارک میں)

امریکہ: "جنرل الیکٹرک کمپنی (جی۔ای۔سی)

1907: 202

1910: 298

28000

32000

35.4

45.6

جرمنی: جرمن الیکٹرک کمپنی (اے۔ای۔جی)

1907:216

1911: 362

30700

60800

14.5

21.7

اور پھر 1907 میں جرمن اور امریکی ٹرسٹوں نے ایک سمجھوتہ کیا جس کے مطابق انہوں نے دنیا کو اپنے درمیان تقسیم کرلیا۔ان کے درمیان مقابلہ بند ہو گیا۔ امریکی "جنرل الیکٹرک کمپنی" (جی۔ای۔سی) کو ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کناڈا" ملے "جرمن "جنرل الیکٹرک کمپنی" (اے۔ای۔جی۔) کو جرمنی، آسٹریا، روس، ہالینڈ، ڈنمارک، سوئٹزرلینڈ، ترکی اور بلقان ملے"۔صنعت کی نئی شاخوں میں، اور ان

"نئے "ملکوں میں جو باقاعدطور پر ابھی الاٹ نہیں کئے گئے تھے "دختر کمپنیوں" کے گھسنے کے لئے خاص سمجھوتے ہوئے جو قدرتی طور پر خفیہ تھے۔دونوں ٹرسٹوں کے درمیان ایجادوں اور تجربات کا باہمی تبادلہ طے ہوا۔

Riesser, متذکرہ کتاب، صفحہ 239، diouritch۔ کتاب، متذکرہ، Kurt Heining، متذکرہ مضمون۔

یہ بات خود صاف ظاہر ہے کہ ایسے درحقیقت واحد کل عالمی ٹرسٹ کے خلاف مقابلہ کرنا کتنا مشکل ہے جو کئی اربوں کا سرمایہ کنٹرول کرتا ہو اور جس کی "شاخیں" ایجنسیاں، نمائندے اور روابط وغیرہ دنیا کے ہر کونے میں ہوں۔لیکن دو طاقتور ٹرسٹوں کے درمیان دنیا کی تقسیم ازسرِ نو تقسیم کا ناممکن نہیں بناتی اگر ہموار ارتقا، جنگ اور دیوالیہ پن وغیرہ کی وجہ سے طاقتوں کے تناسب میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔

اس قسم کی ازسرِنو تقسیم کی کوشش، ازسرِنو تقسیم کی جدوجہد کی سبق آموز مثال تیل کی صنعت سے ملتی ہے۔

سیڈیلس نے 1905 میں لکھا تھا، "عالمی تیل منڈی آج بھی سو بڑے مالیاتی گروپوں کے درمیان تقسیم ہے، راک فیلر کی امریکن "اسٹینڈرڈ اور آئیل کمپنی" اور باکو میں روسی تیل کے چشموں کے مالکوں روشتیلڈ اور نوبل کے درمیان۔دونوں گروپ آپس میں گہرے رابطے رکھتے ہیں۔لیکن کئی برسوں سے پانچ دشمن ان کی اجارہ داری کے لئے خطرہ بن گئے ہیں" یئڈیلس، صفحات 192-193۔(1) امریکی تیل کے چشموں کا خالی ہو جانا؛ (2) باکو میں مانتاشیف کی فرم سے مقابلہ؛ (3) آسٹریائی تیل کے چشمے؛ (4) رومانیہ کے تیل کے چشمے؛ (5) سمندر پار تیل کے چشمے خصوصاً ہالینڈ کی نوآبادیوں میں (سیموئیل اور شیل کی بہت ہی امیر فرمیں جو

برطانوی سرمائے سے بھی متعلق ہیں)۔آخری تین گروپ بڑے جرمن بینکوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی قیادت بہت بڑا "جرمن بینک" کرتا ہے۔ان بینکوں نے اپنے بل تو بوتے پر اور با قاعدگی سے تیل کی صنعت کو ترقی دی، مثلاً رومانیہ میں، تا کہ "خود" اپنے قدم جما سکیں۔1907 میں رومانیہ کی تیل کی صنعت میں جو غیر ملکی سرمایہ لگا تھا اس کا تخمینہ 18 کروڑ 50 لاکھ فرانک تھا جس میں کے 7 کروڑ 40 لاکھ جرمن سرمائے کے تھے۔

diouritch، صفحات-246-245۔

"دنیا کی تقسیم" کے لئے جیسا کہ واقعی اس کو معاشی ادب میں کہتے ہیں، ایک جدو جہد شروع ہوئی۔ایک طرف تو راک فیلر کی اسٹینڈرڈ آئیل کمپنی ہر چیز پر اپنا قبضہ جمانا چاہتی تھی۔ڈچ انڈیز میں تیل کے چشمے خرید کر اس نے ٹھیک ہالینڈ میں ایک "دختر کمپنی" قائم کر دی تا کہ وہ اپنے خاص دشمن اینگلو ڈچ "شیل" پر ضرب لگا سکے۔دوسری طرف جرمن بینک اور دوسرے برلن کے بینکوں کا مقصد رومانیہ کو "اپنے لئے برقرار رکھنا" اور راک فیلر کے خلاف اس کو روس سے متحد کرنا تھا۔موخر الذکر کے پاس کہیں زیادہ سرمایہ اور تیل کی منتقلی اور تقسیم کا بہت ہی اچھا نظام تھا۔اس کشمکش کا خاتمہ ہونا ہی تھا اور وہ 1907 میں ختم ہو گئی جس میں "جرمن بینک" کو شکست فاش ہوئی اور اس کے سامنے دو راستوں میں سے ایک راستہ رہ گیا: یا تو وہ اپنے تیل کے مفادات کو ختم کر دے اور اربوں اور نقصان اٹھائے یا اطاعت قبول کرے۔ اس نے اطاعت کو منتخب کیا اور اسٹینڈرڈ آئیل کمپنی کے ساتھ بہت ہی نقصان دہ معاہدہ کیا۔جرمن بینک اس بات پر راضی ہو گیا کہ " کسی ایسی بات کی کوشش نہیں کرے گا جو امریکی مفادات کو نقصان پہنچاتی ہو"۔بہر حال یہ شرط بھی

رکھی گئی کہ اگر جرمنی تیل کی ریاستی اجارہ داری قائم ہو تو یہ معاہدہ کالعدم ہو جائے گا۔

تب تیل کی کامیڈی شروع ہوئی۔ایک جرمن مالیاتی بادشاہ جان گوینیر نے جو جرمن بینک کا ڈایریکٹر تھا، اپنے پرائیویٹ سیکریٹری شتاوس کے ذریعہ تیل کی ریاستی اجارے داری کے قیام کے لئے مہم شروع کر دی۔زبردست جرمن بینک کی دیو پیکر مشینری اور اس کے تمام "وسیع" "رابطے" حرکت میں آ گئے۔پریس امریکی ٹرسٹ کے "جوئے" کے خلاف "وطن دوستانہ" ناراضگی سے بھر گیا اور 15 مارچ 1911 کو رائخ ستاگ میں تقریباً متفقہ ووٹ سے قرارداد منظور کی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ تیل کی اجارے داری کے قیام کے لئے ایک مسودہ قانون پیش کرے۔حکومت نے اس "مقبول عام" خیال کو جھپٹ لیا اور "جرمن بینک" کی یہ چال کہ اپنے امریکی مدمقابل کو دھوکا دے اور سرکاری اجارے داری کے ذریعہ اپنے کاروبار کو فروغ دے، کامیاب معلوم ہوتی تھی۔تیل کے جرمن بادشاہ زبردست منافعے کا خواب دیکھنے لگے جو روسی شکر سازوں کے نفع سے کم نہ ہوتا... لیکن اول تو بڑے جرمن بینکوں کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں جھگڑا ہوا اور "ڈیسکونتو گیسیل شافٹ" نے جرمن بینک کے خودغرضانہ مفادات کا پردہ چاک کیا۔دوسرے، حکومت راک فیلر کے ساتھ جھگڑا کرنے سے ڈر گئی کیونکہ یہ بہت بہت مشکوک تھی کہ جرمنی کو دوسرے ذرائع سے تیل مل سکے گا یا نہیں (رومانیہ کی پیداوار بہت کم تھی)۔تیسرے، ٹھیک اسی وقت 1913 کا ایک ارب مارک کا قرض جرمنی کو جنگی تیاری کے لئے منظور کیا گیا تھا۔تیل کی اجارے داری کا منصوبہ ملتوی کر دیا گیا۔راک فیلر کی "اسٹینڈرڈ آئیل کمپنی" کو اس کشمکش میں عارضی طور پر فتح ہوئی۔

برلن کے رسالے "بینک" نے اس سلسلے میں لکھا کہ جرمنی "اسٹینڈرڈ آئیل کمپنی" سے صرف اس طرح لڑسکتا تھا کہ وہ بجلی کی اجارہ داری قائم کرتا اور پانی کی طاقت کو سستی بجلی میں تبدیل کردیتا۔ رسالے "بینک" نے آگے لکھا: "لیکن بجلی کی اجارہ داری اس وقت قائم ہوگی جب پیدا کرنے والوں کو اس کی ضرورت ہو یعنی جب بجلی کی صنعت میں آئندہ کوئی بڑا بحران فوری درپیش ہوگا اور جب وہ بڑے بڑے اور بیش قیمت بجلی گھر نفع پر نہیں چل سکیں گے جن کو ہر جگہ برقی صنعت کے پرائیویٹ "کنسرن" بنا رہے ہیں اور جن کے لئے ان "کنسرنوں" کو شہروں اور ریاستوں وغیرہ سے کچھ الگ الگ اجارہ داریاں مل بھی چکی ہیں۔ اس وقت پانی کی طاقت کو استعمال کرنا پڑے گا۔ لیکن اس کو سرکاری خرچ پر سستی بجلی میں تبدیل کرنا ناممکن ہوگا۔ اس کو بھی "ریاست کے زیر کنٹرول نجی اجارے داری" کے سپرد کرنا پڑے گا کیونکہ نجی صنعت ابھی تک کئی سمجھوتے کرچکی ہے اور بھاری معاوضے کی شرط رکھی ہے۔ یہی صورت نائٹریٹ کی اجارے داری میں تھی اور یہی تیل کی اجارے داری میں ہے اور یہی صورت برقی طاقت کی اجارے داری میں ہوگی۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہمارے ریاستی سوشلسٹ جنہوں نے اپنے آپ کو حسین اصول سے اندھا کر رکھا ہے، آخر کار یہ سمجھیں کہ جرمنی میں اجارے داریوں کا نہ تو یہ کبھی مقصد رہا ہے اور نہ ان کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ صارفین کو فائدہ پہنچائیں یا ریاست کو کاروباری کے نفع کا ہے ایک حصہ دے دیں۔ انہوں نے صرف یہ خدمت انجام دی ہے کہ ریاست کے خرچ پر وہ نجی صنعتیں پھر بحال ہوں جو تقریباً دیوالئے کی حد تک پہنچ گئی تھیں"۔ (Die Bank, 1912,1,S.1036;2.S,629;1913,1,S.388.)

یہ ہیں وہ بیش بہا اعتراف جو جرمن بورژوا ماہرین معاشیات کرنے پر مجبور ہیں۔ ہم یہاں صاف طور سے دیکھتے ہیں کہ کیسے نجی اور سرکاری اجارے داریاں مالیاتی سرمائے کے دور میں آپس میں شیر وشکر ہوگئی ہیں، وہ عملی طور پر، سب سے بڑے اجارے داروں کے درمیان دنیا کی تقسیم کے لئے سامراجی جدوجہد میں صرف دو الگ کڑیاں ہیں۔

تجارتی جہاز رانی میں بھی ارتکاز کے زبردست اضافے کا نتیجہ دنیا کی تقسیم ہوا ہے۔ جرمنی میں دو طاقتور کمپنیاں نمایاں ہوگئی ہیں: "ہیمبرگ ___ امریکہ" اور "نورڈ ڈیوئچیر لائڈ" جن میں سے ہر ایک 20 کروڑ مارک کا سرمایہ (حصص اور بانڈوں میں) اور 18 کروڑ 50 لاکھ سے 18 کروڑ 90 لاکھ مارک کی قیمت کے جہاز رکھتی ہے۔ دوسری طرف، امریکہ میں یکم جنوری 1903 کو "انٹرنیشنل میر کینٹائل میرین کمپنی" کی تشکیل ہوئی جس کو مورگن ٹرسٹ کہتے ہیں۔ اس نے نو امریکی اور برطانوی دخانی جہازوں کی کمپنیوں کو متحد کیا اور 12 کروڑ ڈالر (48 کروڑ مارک) کے سرمائے کی مالک تھی۔ 1903 میں ہی جرمن دیوپیکروں اور اس امریکی برطانوی ٹرسٹ نے منافع کو تقسیم کرنے کے لئے دنیا کو تقسیم کرنے کا معاہدہ کیا۔ جرمن کمپنیوں نے برطانوی امریکی نقل وحمل کے کام میں مقابلہ کرنے سے انکار کردیا۔ یہ صاف صاف لکھا گیا کہ کونسی بندرگاہ کس کو "الاٹ" کی گئی ہے اور کنٹرول کرنے کے لئے ایک مشترکہ کمیٹی قائم کی گئی وغیرہ۔ یہ معاہدہ بیس سال کے لئے کیا گیا تھا اور اس میں یہ محتاط شرط رکھی گئی تھی کہ جنگ کی صورت میں یہ معاہدہ کالعدم ہوجائے گا (ریسر ہتذکرہ کتاب، صفحہ 125)

انٹرنیشنل ریل کارٹیل کی تشکیل کی تاریخ بھی بہت ہی سبق آموز ہے۔

برطانوی،بلجیائی اور جرمن ریل بنانے والوں نے 1884 میں ہی انتہائی شدید صنعتی سرد بازاری کے دوران ایسا کارٹیل بنانے کی پہلی کوشش کی تھی۔انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ متعلقہ ملکوں کی اندرونی منڈی میں ایک دوسرے سے مقابلہ نہیں کریں گے اور غیر ملکی منڈیوں کو اس تناسب سے تقسیم کرلیں گے: برطانیہ __66 فیصدی، جرمنی __27 فیصدی،بلجیم_ 7 فیصدی۔ہندوستان کو مکمل طور پر برطانیہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ ایک برطانوی فرم کے خلاف جو کارٹیل سے باہر رہ گیا تھا مشترکہ جنگ کی گئی جس کے اخراجات مجموعی فروخت پر معین فیصدی محصول لگا کر پورے کئے جاتے تھے۔ لیکن 1886 میں جب دو برطانوی فرمیں اس سے الگ ہوگئیں تو کارٹیل ختم ہوگیا۔خاص بات یہ ہے کہ بعد کو آنے والے صنعتی گرم بازاری کے ادوار میں معاہدہ نہ ہوسکا۔

1904 کی ابتداء میں جرمن فولادسینڈیکیٹ کی تشکیل ہوئی۔نومبر 1904 میں انٹرنیشنل ریل کارٹیل کو دوبارہ اس تناسب کے ساتھ بحال کیا گیا: برطانیہ __53.5 فیصدی، جرمنی ___28.83 فیصدی،بلجیم__17.67 فیصدی۔ فرانس بعد کو اس میں شامل ہوا اور اس کا حصہ 4.8 فیصدی اور 6.4 فیصدی با ترتیب پہلے، دوسرے اور تیسرے سال میں، 100 فیصدی سے اوپر مقرر ہوا یعنی 104.8 فیصدی وغیرہ کے کل میزان میں سے۔ 1905 میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا "فولاد کارپوریشن" کارٹیل میں شامل ہوگیا اور پھر آسٹریا اور ہسپانیہ۔ 1910 میں فوگیل شٹین نے لکھا: "اس وقت دنیا کی تقسیم مکمل ہے اور بڑے صارفین خصوصاً سرکاری ریلوے لائنیں شاعر کی طرح جوپیٹر کے افلاک میں رہ سکتی ہیں کیونکہ دنیا ان کے مفادات کا لحاظ کئے بغیر تقسیم ہوچکی ہے"۔

(Voglestein,Organistions For men,S.100)

ہم اس سلسلے میں انٹرنیشنل جستہ سینڈیکیٹ کا بھی ذکر کریں گے جو 1909 میں قائم کیا گیا تھا اور جس نے کارخانوں کے پانچ گروپوں میں پیداوار کو ٹھیک ٹھیک تقسیم کر دیا: جرمن، بلجیائی، فرانسیسی، ہسپانوی اور برطانوی۔ اور انٹرنیشنل ڈائنامائٹ ٹرسٹ بھی جس کے بارے میں لیفمان کہتا ہے:" آتش گیر سامان بنانے والی ان تمام جرمن فیکٹریوں کے درمیان بالکل قریبی اور جدید اتحاد ہے جنہوں نے بعد میں فرانسیسی اور امریکی ڈائنامائٹ فیکٹریوں کے ساتھ مل کر جو اسی طرح منظم ہیں، ساری دنیا کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا ہے"۔

(Lief mann Kartelle und Trusts,2.A;S161)

لیفمان نے حساب لگایا کہ 1897 میں مجموعی طور پر تقریباً 40 بین الاقوامی کارٹیل ایسے تھے جن میں جرمنی کا حصہ تھا اور 1910 میں ان کی تعداد تقریباً سو ہو گئی۔

بعض بورژوا صاحبان قلم نے (جن میں اب کارل کاؤتسکی بھی شامل ہو گیا ہے جس نے اسی مارکسی پوزیشن کو بالکل ترک کر دیا جو پہلے اس نے اختیار کی تھی مثلاً 1909 میں)اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ بین الاقوامی کارٹیل سرمائے کو بین الاقوامی بنانے کا انتہائی نمایاں اظہار ہیں اس لئے سرمایہ دار نظام کے تحت قوموں کے درمیان امن کی امید پیدا کرتے ہیں۔ نظریاتی طور پر یہ رائے بالکل لغو ہے او رعملاً یہ سوفسطائیت اور بدترین موقع پرستی کی منافقانہ وکالت ہے۔ بین الاقوامی کارٹیل دکھاتے ہیں کہ سرمایہ دار اجارہ داری کا ارتقاء کس حد تک ہوا ہے او رمختلف سرمایہ دار اتحادوں کے درمیان جدوجہد کس مقصد کے لئے ہے۔مؤخر الذکر صورت

حال سب سے زیادہ اہم ہے۔ صرف یہی واقع ہونے والی باتوں کے تاریخی معاشی معنی دکھاتی ہے کیونکہ جدوجہد کی صورتیں بدل سکتی ہیں اور مختلف، مقابلتاً مخصوص اور عارضی اسباب کے مطابق برابر بدلتی رہتی ہیں لیکن جدوجہد کا مغز، اس کا طبقاتی مافیہ بالکل نہیں بدل سکتا جب تک کہ طبقات کا وجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ، مثال کے لئے، جرمن بورژوازی کے مفادات میں ہے، جس کی طرف دراصل کاؤتسکی اپنی نظریاتی دلیلوں میں (میں اس کے بارے میں بعد میں کہوں گا) چلا گیا ہے کہ موجودہ معاشی جدوجہد کی کبھی ایک صورت پر تو کبھی دوسری صورت پر زور دیا جائے۔ کاؤتسکی بھی یہی غلطی کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے پیش نظر صرف جرمن بورژوازی نہیں بلکہ ساری دنیا کی بورژوازی ہے۔سرمایہ دار دنیا کو کسی خاص بغض کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے تقسیم کرتے ہیں کہ ارتکاز جس حد تک پہنچ گیا ہے وہ ان کو یہ طریقہ نفع کے حصول کے لئے اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور وہ اس کو "سرمائے کے تناسب سے"، "طاقت کے تناسب سے" تقسیم کر لیتے ہیں کیونکہ اجناس کی پیداوار اور سرمایہ دار نظام کے تحت تقسیم کا کوئی دوسرا طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن طاقت معاشی اور سیاسی ارتقاء کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ یہ سمجھنے کے لئے کہ کیا ہو رہا ہے، یہ جاننا ضروری ہے کہ طاقت میں تبدیلیوں کی وجہ سے کون سے سوال طے کئے جاتے ہیں۔ یہ سوال کہ آیا یہ تبدیلیاں "خالص" معاشی یا غیر معاشی (مثلاً فوجی) ہیں، ثانوی بات ہے جو سرمایہ دار نظام کے تازہ ترین دور کے بارے میں بنیادی نظریات کو ذرا بھی نہیں بدل سکتی۔سرمایہ دار اتحادوں کے درمیان جدوجہد اور سمجھوتوں کی شکل (آج پر امن، کل جنگی اور پرسوں پھر جنگی) کے سوال کو اس جدوجہد اور ان سمجھوتوں کے مغز کے سوال کی جگہ دینا سوفسطائیوں کے رول

تک گر جاتا ہے۔

سرمایہ دار نظام کی تازہ ترین منزل کا دور ہمیں دکھاتا ہے کہ سرمایہ دار اتحادوں کے درمیان معین تعلقات دنیا کی معاشی تقسیم کی بنیاد پر ہوتے ہیں جبکہ اس کے متوازی اور اس سلسلے میں بعض معین تعلقات سیاسی اتحادوں کے درمیان، ریاستوں کے درمیان دنیا کی علاقائی تقسیم، نوآبادیوں کے لئے جدوجہد "معاشی علاقوں کی جدوجہد" کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔

6۔ عظیم طاقتوں کے درمیان دنیا کی تقسیم

جغرافیہ داں سوپان نے اپنی کتاب "یورپی نوآبادیوں کا علاقائی ارتقاء" (A.Supan Die territorial Entwicklung der europaischen . Kolonien,1906,S.254) میں انیسویں صدی کے آخر میں اس ارتقاء کا مندرجہ ذیل مختصر خلاصہ پیش کیا ہے:

نوآبادیات رکھنے والی یورپی طاقتوں کے (ریاست ہائے متحدہ امریکہ سمیت قبضے میں جو علاقے ہیں ان کی فیصدی

افریقہ میں

10.8

90.4

79.6

پولینیزیا میں

56.8

98.9

42.1

ایشیا میں

51.5

56.6

5.1

آسٹریلیا میں

100

100

–

امریکہ میں

27.5

27.2

.3_

آخر میں سوپان نتیجہ نکالتا ہے "لہذا افریقہ اور پولینیز یا کا بٹوارہ اس دور کی نمایاں خصوصیت ہے"۔اور چونکہ ایشیاء اور امریکہ میں اس وقت غیر مقبوضہ علاقے نہیں ہیں_ یعنی ایسے علاقے جو کسی نہ کسی ریاست کے تحت نہ ہوں___ اس لئے سوپان کے نتیجے کو ذرا اور واضح کر کے یہ کہنا ضروری ہے کہ کرہ ارض کا مختتم بٹوارہ زیر بحث دور کی نمایاں خصوصیت ہے، مختتم اس معنی میں نہیں کہ نئے سرے سے بٹوارہ ہونا ناممکن ہے_ اس کے برخلاف تقسیم نو ممکن بھی ہے اور ناگزیر بھی_ بلکہ مختتم اس معنی میں کہ سرمایہ دار ملکوں کی نوآبادیاتی پالیسی کے ذریعہ ہمارے سیارے کے تمام غیر

مقبوضہ علاقوں پر قبضہ کرنے کا عمل مکمل ہو چکا ہے۔ پہلی مرتبہ دنیا کا مکمل بٹوارہ ہو چکا ہے، اس لئے مستقبل میں فقط تقسیم نو ہی ممکن ہو سکتی ہے یعنی اب مختلف علاقے بنا مالک والے علاقے کی حیثیت سے "مالک" کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھوں میں پہنچ سکتے ہیں۔

لہٰذا ہم عالمی نوآبادیاتی پالیسی کے ایک خاص دور سے گزر رہے ہیں جس کا "سرمایہ داری کے ارتقاء کے جدید ترین دور" سے، مالیاتی سرمائے سے بہت قریبی تعلق ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات بہت ضروری ہے کہ سب سے پہلے حقائق کا زیادہ تفصیلی مطالعہ کیا جائے تاکہ حتی الامکان زیادہ سے زیادہ صحیح اور صاف طور پر اس امر کی وضاحت کی جا سکے کہ اس دور میں اور اس سے پچھلے ادوار میں کیا فرق اور امتیاز ہے اور یہ واضح ہو جائے کہ موجودہ صورت حال کیا ہے۔ سب سے پہلے اس موقع پر دو ٹھوس سوال پیدا ہوتے ہیں: نوآبادیاتی پالیسی کی بڑھی ہوئی تندی اور شدت اور نوآبادیوں کے لئے کشمکش کی تیزی ٹھیک اسی سال مالیاتی سرمائے کے دور میں دیکھی جا رہی ہے؟ اور اس لحاظ سے دنیا اس وقت کس طرح بٹی ہوئی ہے؟

امریکی مصنف موریس نے نوآبادیاں بنانے (نوآبادکاری) کی تاریخ

Morris, The History of (Henry C. Colonization, New york ,1900,Vol.2.p,88.1,419;2,304.)

پر جو کتاب لکھی گئی ہے، اس میں اس نے اس تمام مواد کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس کا تعلق انیسویں صدی کے مختلف دوروں میں برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے نوآبادیاتی مقبوضات سے ہے۔ اس کے مطالعے سے جو نتائج اخذ

کئے گئے، ان کے مختصر اعداد وشمار نیچے دیئے جاتے ہیں:

نوآبادیاتی مقبوضات

سال

برطانیہ

فرانس

جرمنی

1810_

رقبہ مربع میل

آبادی مربع میل

رقبہ مربع میل

آبادی مربع میل

رقبہ مربع میل

آبادی مربع میل

1830

?

1264

.2

5

-

-

1860

25

1451

2

34

-

-

1880

77

2679

7

75

-

-

1899

93

3090

37

564

10

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

برطانیہ کا وہ زمانہ جس میں اس کی نوآبادیاتی فتوحات میں زبردست اضافہ ہوا، 1860 اور 1880 کا درمیانی زمانہ تھا اور انیسویں صدی کے آخری بیس سال بھی بہت اہم ہیں۔ فرانس اور جرمنی کا یہ زمانہ ٹھیک یہی بیس سال ہیں۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ ماقبل اجارہ دارانہ سرمایہ داری کا ارتقاء یعنی اس سرمایہ داری کا ارتقاء جس میں آزاد مقابلے کا غلبہ تھا، انیسویں صدی کے ساتویں اور آٹھویں عشرے میں اپنی آخری حد کو پہنچ چکا تھا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ٹھیک اسی زمانے کے بعد نوآبادیاتی فتوحات کی غیر معمولی "گرم بازاری" شروع ہوئی اور دنیا کی علاقائی تقسیم کی جدوجہد بے حد تند و تیز ہوگئی۔ لہٰذا اس بارے میں شک وشبہ باقی نہیں رہتا کہ سرمایہ داری کا، اجارہ دارانہ یا مالیاتی سرمائے کے دور میں قدم رکھنے کا تعلق دنیا کے بٹوارے کی جدوجہد کے زیادہ تند اور شدید ہونے سے ہے۔

سامراج کے موضوع پر اپنی تصنیف میں ہوبسن نے 1884 سے 1900 تک کے زمانے کو یورپ کی اہم ریاستوں کی شدید "علاقائی توسیع" (Expansion) کا دور قرار دیا ہے۔ اس کے تخمینے کے مطابق اس زمانے میں 37لاکھ مربع میل کا علاقہ برطانیہ کے قبضے میں آیا جس کی مجموعی آبادی 5 کروڑ 70 لاکھ تھی؛ فرانس نے 36لاکھ مربع میل پر قبضہ کیا جس کی مجموعی آبادی 3 کروڑ 65 لاکھ تھی؛ جرمنی 10لاکھ مربع میل اور ایک کروڑ 47لاکھ کی آبادی کو اپنے تحت لایا؛ 9لاکھ مربع میل اور 3 کروڑ انسانوں کی آبادی بلجیم کے ہاتھ لگی؛ 8لاکھ مربع میل اور 90لاکھ انسانوں کی آبادی پرتگال کے قبضے میں آئی۔ انیسویں صدی کے آخر میں اور خاص طور پر 1880 کے بعد سے تمام سرمایہ دار ملکوں کی نوآبادیوں کے لئے

کشمکش ڈپلومیسی اور خارجہ پالیسی کی تاریخ کی ایک جانی بوجھی حقیقت ہے۔

جس زمانے میں برطانیہ میں آزاد مقابلہ عروج پر تھا یعنی 1840 اور 1860 کے درمیانی دور میں، برطانیہ کے سرکردہ بورژوا سیاست داں نوآبادیاتی پالیسی کے خلاف تھے اور ان کا خیال تھا کہ نوآبادیوں کی آزادی، ان کی برطانیہ سے مکمل علیحدگی، ایک ناگزیر چیز ہے اور مفید بھی ہے _ م۔بیر نے اپنے ایک مضمون " جدید ترین برطانوی سامراج " Die neue Zeit, XVI, 1, 1898, S. 302." میں جو 1898 میں چھپا تھا، لکھا ہے کہ 1852 میں سیاست داں ڈزرائیلی نے جو، عام طور پر یہ کہنا چاہیے، سامراج کی طرف بہت مائل تھا، اعلان کیا " نوآبادیاں تو ہمارے کندھوں پر چکی کے پاٹ ہیں "۔ لیکن انیسویں صدی کے آخر میں انگلستان میں سیسل روڈس اور جوزف چیمبرلین کا طوطی بولتا تھا اور یہ وہ لوگ تھے جو کھلم کھلا سامراج کے حامی تھے اور انتہائی بدخوئی سے سامراجی پالیسی چلاتے تھے۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اس وقت بھی برطانیہ کے یہ سرکردہ بورژوا سیاست داں جدید ترین سامراج کی سیاسی و سماجی اور خالص معاشی بنیادوں کے باہمی تعلق کو دیکھ اور سمجھ سکتے تھے۔ چیمبرلین نے یہ کہہ کر سامراج کی حمایت کی کہ یہ ایک " سچی، سمجھداری کی اور کفایت شعارانہ پالیسی " ہے اور خاص طور پر جرمنی، امریکہ اور بلجیم کے مقابلے کی طرف اشارہ کیا جس سے برطانیہ کو عالمی منڈی میں دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔ سرمایہ داروں نے کارٹیل، سینڈیکیٹ اور ٹرسٹ قائم کر کے یہ کہا کہ اجارہ داری نجات کا واحد وسیلہ ہے۔ اور جب بورژوا طبقے کے سیاسی لیڈروں نے دنیا کے ان حصوں پر جلدی جلدی اپنا قبضہ جمانا شروع کیا جن کا اب

تک بٹوارہ نہیں ہوا تھا، تو انہوں نے بھی یہی بات دہرائی کہ اجارہ داری نجات کا واحد وسیلہ ہے۔ اور جیسا کہ سیسل روڈس کے گہرے دوست، صحافی اسٹیڈ نے بتایا کہ اول الذکر نے 1895 میں اس کے سامنے اپنے سامراجی خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا تھا: " کل میں لندن کے مشرقی حصے (East End ــــ مزدوروں کے محلے) میں گیا تھا اور وہاں بیروزگاروں کے ایک جلسے میں شریک ہوا۔ میں نے وہ جنونی، وحشیانہ تقریریں سنیں جو " روٹی روٹی" کی پکار کے سوا اور کچھ نہیں تھیں اور گھر لوٹتے وقت میں نے اس منظر پر غور وفکر کیا تو میں سامراج کی اہمیت کا پہلے سے بھی زیادہ قائل ہو گیا ــــ سماجی مسئلے کا حل میری تمنا ہے یعنی یہ کہ سلطنت متحدہ کے 4 کروڑ باشندوں کو خون ریز خانہ جنگی سے بچانے کے لئے ہم لوگوں کو، نوآبادیاتی سیاست دانوں کو چاہیے کہ اپنی فالتو آبادی کو بسانے کے لئے اور کارخانوں اور کانوں میں تیار شدہ اشیاء کے لئے نئی منڈیاں بہم پہنچانے کی غرض سے نئے علاقے حاصل کریں۔ میں نے ہمیشہ یہ کہا کہ سلطنت پیٹ کا سوال ہے۔ اگر آپ خانہ جنگی سے بچنا چاہتے ہیں تو آپ کو سامراجی ہونا پڑے گا۔ Die Neue Zeit, XV!, 1, 1898, S. 303.

مالیات کے بادشاہ کروڑ پتی سیسل روڈس نے جو انگریزوں اور بائیروں کی جنگ کا ذمے دار تھا، 1895 میں یہ بات کہی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے بھونڈے، غیر شائستہ اور انسانیت بیزار انداز میں سامراج کی حمایت کی ہے لیکن بنیادی طور پر یہ حضرات ماسلوف، زیودیکوم، پوتریسوف، ڈیوڈ، روسی مارکس ازم کے بانی (روسی مارکس ازم کے بانی، گ۔و۔پلیخانوف تھے) اور دوسرے لوگوں کے پیش کئے ہوئے " نظریے " سے قطعی مختلف نہیں ہے۔ سیسل روڈس نسبتاً ذرا ایماندار قسم کا

معاشرتی جارحانہ قوم پرست تھا۔

دنیا کے علاقائی بٹوارے اور اس سلسلے میں پچھلے چند عشروں میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں، ان کی زیادہ سے زیادہ صاف اور صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے ہم اس مواد کو استعمال کریں گے جو سوپان نے اپنی کتاب میں (جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے) دنیا کی تمام طاقتوں کے نوآبادیاتی مقبوضات کے بارے میں فراہم کیا ہے۔ سوپان 1876 اور 1900 کو لیتا ہے۔ ہم 1876 کو لیں گے۔ اس سال کا انتخاب بہت مناسب ہے کیونکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹھیک اسی زمانے میں مغربی یورپ کی سرمایہ داری کے ارتقاء کی اجارے داری سے پہلے کی منزل مجموعی طور پر مکمل ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ ہم 1914 کو بھی لیں گے اور سوپان کے اعداد و شمار کی بجائے ہم ہیوبنر کی "جغرافیائی اعداد و شمار کی جدولوں" کے زیادہ تازہ اعداد و شمار کا حوالہ دیں گے۔ سوپان صرف نوآبادیوں کے اعداد و شمار دیتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا کی تقسیم کی ایک مکمل تصویر پیش کرنے کے لئے غیر نوآبادیوں اور نیم آبادیوں کے بارے میں بھی مختصر طور پر اعداد و شمار شامل کر لئے جائیں ___ ہم ایران، چین اور ترکی کا شمار نیم آبادیوں کے زمرے میں کرتے ہیں۔ ایران تو تقریباً مکمل طور پر نوآبادی بن چکا ہے اور باقی دونوں ملک نوآبادیاں بن رہے ہیں۔ لہٰذا اس طرح ہمیں مندرجہ ذیل خلاصہ ملتا ہے۔ (نیچے خاکہ دیکھئے)۔

عظیم طاقتوں کے نوآبادیاتی مقبوضات (لاکھ مربع کلومیٹر اور باشندے)

نوآبادیاں

سامراجی ملک

کل میزان

1876

1914

1914

1914

رقبہ

آبادی

رقبہ

آبادی

رقبہ

آبادی

رقبہ

آبادی

برطانیہ

225

2519

335

3930

3

465

338

4400

روس

170

159

174

332

54

1362

228

1694

فرانس

9

60

106

555

5

396

111

951

جرمنی

-

-

29

123

5

469

34

772

ریاستہائے متحدہ امریکہ

-

-

3

97

94

970

97

1067

جاپان

-

-

3

192

4

530

7

722

چھ عظیم طاقتوں کا کل میزان

404

2738

650

5234

160

4372

815

9606

دوسری طاقتوں کی نوآبادیات (بلجیم، ہالینڈ وغیرہ)

99

453

نیم نوآبادیات (ایران، چین، ترکی)

145

3612

باقی ملک

280

2899

پوری دنیا کا کل میزان

1339

16570-

یہ اعداد و شمار دیکھ کر ہمیں بڑی اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ انیسویں صدی کے خاتمے اور بیسویں صدی کے آغاز میں دنیا کا بٹوارہ کس قدر "مکمل" ہو چکا تھا۔ 1876 کے بعد نوآبادیاتی مقبوضات کا رقبہ بے انتہا بڑھ گیا یعنی اس میں پچاس فیصدی اضافہ ہوا۔ 6 سب سے بڑی طاقتوں کی نوآبادیوں کا رقبہ 4 کروڑ سے ساڑھے چھ کروڑ مربع کلومیٹر ہو گیا۔ یہ اضافہ کل ڈھائی کروڑ مربع کلومیٹر تھا یعنی سامراجی ملکوں کے رقبے سے پچاس فیصد زائد (آخر الذکر کا رقبہ ایک کروڑ 65 لاکھ مربع کلومیٹر ہے)۔ 1876 میں تین طاقتوں کے پاس نوآبادیاں بالکل ہی نہیں تھیں اور ایک کے، یعنی فرانس کے پاس محض برائے نام تھیں۔ 1914 تک ان چار طاقتوں کو بھی نوآبادیاں مل چکی تھیں جن کا رقبہ ایک کروڑ 41 لاکھ مربع کلومیٹر ہے یعنی یورپ کے رقبے سے تقریباً پچاس فیصدی بڑا ہے اور ان نوآبادیوں کی مجموعی آبادی قریب قریب 10 کروڑ ہے۔ نوآبادیاتی مقبوضات کی توسیع کی رفتار بہت غیر ہموار ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم فرانس، جرمنی اور جاپان کا مقابلہ کریں جو رقبے اور آبادی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہیں ہیں تو ہم

دیکھیں گے کہ جتنا نو آبادی علاقہ جرمنی اور جاپان نے مل کر حاصل کیا ہے، اس سے تقریباً تگنا اکیلے فرانس کے قبضے میں آیا ہے۔ مالیاتی سرمائے کے لحاظ سے بھی اس زمانے کے شروع میں جس کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں، فرانس شاید جرمنی اور جاپان دونوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ دولتمند تھا۔ خالص معاشی حالات کے علاوہ، انہیں معاشی حالات پر مبنی جغرافیائی اور دوسری قسم کے حالات بھی نو آبادیاتی مقبوضات کے رقبے بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ بڑے پیانے کی صنعت، تبادلے اور مالیاتی سرمائے کے دباؤ کے نتیجے میں پچھلے چند عشروں میں ساری دنیا کے ایک سطح پر آنے کا، مختلف ملکوں میں معاشی حالات اور حالات زندگی کے ایک سطح اور معیار پر آنے کا عمل خواہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، لیکن پھر بھی اب تک کافی فرق باقی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان چھ مذکورہ بالا طاقتوں کے درمیان اول: تو نو خیز سرمایہ دار **ملک** ہیں (امریکہ، جرمنی، جاپان) جن کی ترقی کی رفتار غیر معمولی تیز رہی ہے، دوسرے: وہ **ملک** ہیں جن میں سرمایہ دارانہ ترقی پرانی ہے (فرانس اور برطانیہ) اور پچھلے دنوں ان کی ترقی کی رفتار اول الذکر ملکوں کی رفتار ترقی سے کہیں زیادہ سست رہی ہے، تیسرے: وہ **ملک** ہے (روس) جو معاشی اعتبار سے انتہائی پسماندہ ہے جہاں جدید ترین سرمایہ دارانہ سامراج ماقبل سرمایہ دارانہ رشتوں کے ایک بہت ہی گھنے جال میں گویا جکڑا ہوا ہے۔

عظیم طاقتوں کے نو آبادیاتی مقبوضات کے پہلو بہ پہلو ہم نے چھوٹی ریاستوں کی چھوٹی نو آبادیوں کو رکھا ہے جو گویا نو آبادیوں کی امکانی اور قرین قیاس "تقسیم نو" کا اگلا تختۂ مشق ہونے والی ہیں۔ ان چھوٹی ریاستوں میں سے زیادہ تر ریاستیں صرف اس وجہ سے اپنی نو آبادیوں کو برقرار رکھ سکتی ہیں کہ بڑی طاقتوں کے

درمیان مفادات کے تضاد، باہمی کشمکش اور جھگڑوں کے سبب ان طاقتوں میں مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق کوئی اتفاق رائے نہیں ہو سکتا۔ "نیم نوآبادیاتی" ریاستیں ان عبوری شکلوں کی مثال پیش کرتی ہیں جو فطرت اور سماج کے ہر میدان اور ہر شعبےمیں نظر آتی ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مالیاتی سرمایہ تمام معاشی اور بین اقوامی تعلقات کے میدان میں اس قدر عظیم اور اس قدر فیصلہ کن قوت ہے کہ وہ ان ریاستوں تک کو اپنا مطیع ومحکوم بنانے کی قدرت رکھتا ہے اور حقیقت میں مطیع ومحکوم بناتا بھی ہے جو سیاسی لحاظ سے سو فی صدی خودمختار ہیں۔ ہم جلد ہی اس کی مثالیں دیکھیں گے۔ بلاشبہ مالیاتی سرمائے کے لئے ایسی ہی محکومی اور اطاعت سب سے زیادہ "مناسب اور فائدہ مند" ہوتی ہے اور وہاں ایسی ہی محکومی سے زیادہ سے زیادہ منافع لوٹ سکتا ہے جو مطیع ومحکوم قوموں اور ملکوں کو سیاسی آزادی سے بالکل محروم کرتی ہے۔ اس سلسلے میں نیم نوآبادیاتی **ملک** "درمیانی دور" کی معیاری مثال پیش کرتے ہیں۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ مالیاتی سرمائے کے دور میں جب باقی دنیا کا پہلے ہی بٹوارہ ہو چکا ہے، ان نیم محکوم ملکوں کے لئے کشمکش خاص طور پر تند وتیز ہو گئی۔

سرمایہ داری کے جدید ترین دور سے بلکہ سرمایہ داری کے جدید ترین دور سے بلکہ سرمایہ داری سے بھی پہلے، نوآبادیاتی پالیسی اور سامراج کا وجود تھا۔ روم جو غلامی کی بنیادوں پر قائم ہوا تھا، نوآبادیاتی پالیسی اور سامراج پر کاربند تھا۔ لیکن سامراج کے بارے میں "عمومی" مقامات کا انجام جو سماجی اور معاشی نظاموں کے بنیادی فرق کو نظرانداز کرتے ہیں یا پس پشت ڈال دیتے ہیں، ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ وہ یا تو خشک، بےمزہ اور پیش پا افتادہ باتوں کی سطح تک جا گرتے ہیں یا ان کی حیثیت

شیخی بازی سے کم نہیں ہوتی۔ "عظیم روم اور عظیم برطانیہ" C. P Lucas, Greater Rome and Greater Britain, Oxford,1912, or the Earl of Cromer,s Ancient and Modern Imperialism, London,1910. کا مقابلہ اس کی ایک مثال ہے۔حتیٰ کہ سرمایہ داری کے پچھلے ادوار کی سرمایہ دار نوآبادیاتی پالیسی بھی مالیاتی سرمائے کی نوآبادیاتی پالیسی سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

سرمایہ داری کے جدید ترین دور کی سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت ہے بڑے سرمایہ داروں کے کے اجارہ دار اتحادوں کا غلبہ۔ جب خام سامان کے تمام وسائل ایک ہاتھ میں آجاتے ہیں تو یہ اجارہ داریاں بے حد مضبوطی سے جڑ پکڑ لیتی ہیں ۔ہم دیکھ چکے ہیں کہ بین اقوامی سرمایہ دارانہ اتحاد اس سلسلے میں کس قدر لگن اور جوش دکھاتے ہیں اور اس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں کہ حریفوں کے لئے ان سے مقابلہ کرنا ناممکن ہو جائے اور اسی غرض سے وہ مثلاً تیل کے ذرائع اور کچے لوہے کی کانوں وغیرہ کے پورے پورے علاقے خرید ڈالتے ہیں۔صرف نو آبادیاتی قبضہ ہی حریفوں کے خلاف اجارے داروں کی جدوجہد میں تمام امکانی اور اتفاقی حادث سے ان کے بچاؤ کی ضمانت کرسکتا ہے اور ان میں یہ امکان تک شامل ہے کہ اجارے داروں کی حریف ریاستی اجارہ داری قائم کرنے کا قانون بنا کر اپنی حفاظت کی کوشش کریں۔جیسے جیسے سرمایہ داری فروغ پاتی ہے، خام سامان کی کمی زیادہ شدت سے محسوس ہوتی ہے، مقابلے کی شدت اور تیزی میں اضافہ ہوتا ہے، دنیا بھر میں خام سامان کے ذرائع کی تلاش اور بھی بڑھ جاتی ہے، ویسے ویسے نوآبادیات حاصل کرنے کی جدوجہد اور بے دھڑک ہوتی جاتی ہے۔

شیلڈر نے لکھا ہے "ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو یہ ایک مہمل اور متناقض بات معلوم ہو لیکن یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ کم و بیش مستقبل قریب میں خوراک کی قلت کی بہ نسبت غالباً صنعت کے لئے خام کے سامان کی قلت شہری اور صنعتی آبادی کے اضافے میں غالباً زیادہ مزاحم ہوگئی"۔ مثلاً اس وقت عمارتی لکڑی کی قلت بڑھتی ہی جارہی ہے اور اس کی قیمت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح پارچہ بافی کی صنعت کے خام سامان کی اور چمڑے کی کمی بھی بڑھ رہی ہے۔" کارخانہ داروں کے اتحاد تمام دنیا کی معشیت میں زراعت اروصنعت کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم کئی اہم ترین صنعتی ملکوں کے سوت بنانے والوں کے اتحادوں کے بین اقوامی وفاق کا نام پیش کرسکتے ہیں جو 1904 میں قائم ہوا تھا اور اسی طرح سن بافوں کے اتحادوں کے یورپی وفاق کا نام پیش کیا جاسکتا ہے جو اسی ڈھنگ سے 1910 میں قائم ہوا تھا۔"

schilder, متذکرہ کتاب، صفحات 42-38۔

بلاشبہ بورژوا اصلاح پرست اور ان میں بھی خاص طور پر کاؤتسکی کے موجودہ حمایتی یہ کہہ کر اس قسم کے حقائق کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک "مہنگی اور خطرناک "نوآبادیاتی پالیسی کے بغیر کھلی منڈی میں خام سامان حاصل" کیا جاسکتا" ہے۔ لیکن اس قسم کی دلیلیں سامراج کی عذرخواہی اور اس کو دلفریب رنگوں میں پیش کرنے کے مترادف ہیں کیونکہ وہ سرمایہ داری کے آخری دور کی اولیں اور اہم ترین خصوصیت، یعنی اجارے داری کو نظر انداز کرتی ہیں۔ کھلی منڈیاں روز بہ روز قصہ پارینہ بنتی جارہی ہیں، اجارہ دار سنڈیکیٹ اور ٹرسٹ انھیں دن بدن زیادہ محدود کرتے جارہے ہیں اور زراعت کے حالات کو " محض "بہتر کرنے کا مطلب

ہے عوام کی حالت کو بہتر بنانا، اجرت میں اضافہ کرنا اور منافع گھٹانا۔ اور ان جذباتی اصلاح پرستوں کے تخیل کے سوا ایسے ٹرسٹوں کا وجود بھلا اور کہاں ہو سکتا ہے جو نو آبادیاتی فتوحات کے بجائے عوام کی حالت کی فکر کر سکتے ہوں؟

مالیاتی سرمائے کے لئے خام سامان کے صرف وہ ذرائع اہم نہیں ہیں جو دریافت ہو چکے ہیں بلکہ اس کے لئے امکانی ذرائع بھی اہم ہیں کیونکہ موجودہ ٹکنیکی ترقی بے انتہا تیز رفتار ہے اور جو زمین آج بنجر اور بیکار ہے، کل اسے سرمائے کی بڑی بڑی رقمیں لگا کر اور نئے طریقوں کی مدد سے زرخیز بنایا جا سکتا ہے (اور ایک بڑا بینک یہ نئے طریقے دریافت کرنے کے واسطے انجینیروں اور ماہرین زراعت وغیرہ کی ایک خاص مہم تیار کر سکتا ہے)۔ معدنیات کی کانوں کا کھوج لگانے، خام سامان تیار کرنے اور اسے کام میں لانے کے نئے طریقوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالیاتی سرمائے کی معاشی علاقے اور عام طور پر علاقے کی توسیع کی کوشش کرنا ایک ناگزیر چیز ہے۔ جس طرح ٹرسٹ اپنی ملکیت کے سارے "امکانی " منافع کا (موجودہ منافع کا نہیں) اور اجارے داری کے آئندہ نتیجوں کا حساب کتاب لگا کر اس ملکیت کی اصلی قیمت سے دوگنی یا تگنی قیمت لگاتے ہیں، بالکل اسی طرح مالیاتی سرمایہ بھی خام سامان کے تمام امکانی ذرائع کا مدنظر رکھتے ہوئے عام طور پر ہر ممکن طریقے سے، ہر جگہ اور ہر قسم کی زمین پر قبضہ جمانے کی فکر میں رہتا ہے اس خوف سے کہ کہیں غیر تقسیم شدہ علاقے کے آخری ٹکڑے تک کے لئے یا جن علاقوں کی پہلے ہی تقسیم ہو چکی ہے، ان کی تقسیم نو کے لئے ہونے والی تند و تیز جدو جہد میں وہ اوروں سے پیچھے نہ رہ جائے۔

برطانوی سرمایہ دار اپنی نو آبادی مصر، میں کپاس کی کاشت کو فروغ دینے کی

ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ 1904 میں 33 لاکھ ہیکٹر زیر کاشت زمین میں سے 6 لاکھ ہیکٹر یعنی ایک چوتھائی سے زیادہ زمین پر کپاس کی کاشت ہوتی تھی۔ روسیوں کی بھی اپنی نوآبادی ترکستان، میں یہی کوشش ہے کیونکہ اس طرح انھیں اپنے بدیسی حریفوں کو شکست دینے، خام سامان کے وسائل پر اپنا اجارہ قائم کرنے اور پارچہ بافی کا یک کفایت شعار قسم کا، زیادہ منافع اور کم لاگت والا " مجتمع " پیداوار کا ایسا ٹرسٹ بنانے میں زیادہ سہولت ہوگی جس میں کپاس کی کاشت اور کپڑا بننے کی صنعت کے تمام مدراج مالکوں کے ایک گروہ کے ہاتھ میں مجتمع اور مرکوز ہوں گے۔

سرمائے کی برآمد میں جو مفاد مضمر ہیں، وہ نوآبادیاتی فتوحات اور تسلط کے لئے مزید محرک کا کام دیتے ہیں۔ کیونکہ نوآبادیاتی منڈیوں میں مقابلے کا قلع قمع کرنے، فراہمی کی ضمانت ملنے اور ضروری " رابطوں " وغیرہ کو استوار اور مستحکم کرنے کے لئے اجارے داری کے طریقے استعمال کرنا زیادہ آسان ہے (اور بعض اوقات تو وہاں صرف یہی طریقے استعمال کئے جا سکتے ہیں)۔

وہ غیر معاشی بالائی ڈھانچہ جو مالیاتی سرمائے کی بنیاد پر کھڑا ہوتا ہے۔ یعنی مالیاتی سرمائے کی سیاست اور فکر و نظر، نوآبادیاتی فتوحات اور تسلط کے لئے اکساتا ہے۔ " مالیاتی سرمایہ آزادی کا خواہش مند نہیں ہے، وہ تو غلبہ کا خواہاں ہے "۔ ہیلفر ڈنگ نے یہ بڑی بات سچی کہی ہے۔ اور ایک فرانسیسی بورژوا مصنف جو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مذکورہ بالا سیسل روڈس کے خیالات (اس کتاب میں آگے دیکھئے۔ (ایڈیٹر) کی وضاحت اور تکمیل کر رہا ہو، لکھتا ہے کہ جدید نوآبادیاتی پالیسی کے معاشی اسباب میں سماجی اسباب کا اضافہ بھی کرنا چاہئے۔ " زندگی کی روزافزوں پیچیدگیوں اور مشکلات کے باعث جو صرف مزدوروں ہی کو نہیں بلکہ

متوسط طبقوں کو بھی دبائے اور جکڑے ہوئے ہیں، پرانی تہذیب کے حامل تمام ملکوں میں، بے صبری، جھنجھلاہٹ اور نفرت بڑھتی ہی جا رہی ہے اور بڑھ کر امن عامہ کے لئے خطرہ بن رہی ہے، اس کو غیر ملکیوں میں استعمال کرنا چاہیے تا کہ وطن میں دھماکے سے بچا جا سکے"۔(Wahl , La France aux colonies اس کا حوالہ ہنری روسئر نے اپنی تصنیف" سمندروں کا بٹوارہ " میں دیا ہے (HenriRussier ,Le Partage de l,Oceanie, Paris ,1905,page 165.

چونکہ ہم سرمایہ دارانہ سامراج کے دور کی نوآبادیاتی پالیسی سے بحث کر رہے ہیں لہٰذا یہ کہنا ضروری ہے کہ مالیاتی سرمایہ اور اس سے مطابقت رکھنے والی خارجہ پالیسی جو دنیا کے معاشی اور سیاسی بٹوارے کے لئے عظیم طاقتوں کی جدو جہد کی شکل اختیار کر لیتی ہے، یہ دونوں ریاستی ماتحتی کی متعدد درمیانی، عبوری شکلوں کو جنم دیتے ہیں۔اس دور کی خصوصیت محض ملکوں کے دو خاص بڑے گروہ نہیں ہیں یعنی نو آبادیات کے مالک ملک اور نو آبادیات۔ماتحت ملکوں کی مختلف شکلیں بھی اس دور کی خصوصیت ہیں جو کہنے کو تو سیاسی لحاظ سے خود مختار ہیں لیکن دراصل مالی اور سفارتی کے جال میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم ماتحتی کی ایک شکل یعنی نیم نو آبادی کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ ارجنٹائن اس کی ایک اور شکل کی مثال پیش کرتا ہے۔

شولسے گے ویرنتیس نے برطانوی سامراج پر جو کتاب لکھی ہے، اس میں وہ لکھتا ہے" سارا جنوبی امریکہ اور خاص طور پر ارجنٹائن مالی اعتبار سے لندن کا اس قدر دست نگر ہے کہ اسے تقریباً برطانیہ کی تجارتی نو آبادی کہنا چاہیے۔1909 میں بیونس آئرس میں آسٹریا اور ہنگری کے قونصل کی رپورٹ کی بنیاد پر شیلڈر تخمینہ لگاتا

ہے کہ ارجنٹائن میں کوئی 8 ارب 75 کروڑ فرانک برطانوی سرمایہ لگا ہوا ہے۔ یہ تصور کرنا کچھ دشوار نہیں ہے کہ اس طرح برطانوی مالیاتی سرمایہ (اور اس کی وفادار "دوست" ڈپلومیسی) کے ارجنٹائن کے بورژوا طبقے کے ساتھ یعنی اس حلقے کے ساتھ جس کے ہاتھ میں اس کی پوری معاشی اور سیاسی زندگی کی باگ ڈور ہے، کس قدر مضبوط رابطے ہیں۔

پرتگال بیک وقت مالی اور سفارتی ماتحتی اور سیاسی آزادی کی ایک ذرا مختلف مثال پیش کرتا ہے۔ پرتگال ایک آزاد اور خود مختار ریاست ہے، درحقیقت دوسو سال سے زیادہ یعنی ہسپانوی وراثت کی جنگ (1701_1714) کے بعد سے، وہ برطانیہ کی زبردست ریاست (Protectorate) ہے۔ برطانیہ نے برابر پرتگال اور اس کی نوآبادیوں کی حفاظت کی ہے تاکہ وہ اپنے حریفوں، ہسپانیہ اور فرانس کے خلاف لڑائی میں خود اپنی پوزیشن مضبوط کر سکے۔ اس کے بدلے برطانیہ کو تجارتی مراعات، پرتگال اور اس کی نوآبادیوں میں اشیاء کی اور خاص طور پر سرمائے کی درآمد کے لئے رعائیت اور ترجیح، پرتگال کے جزیرے اور بندرگاہیں، اس کے ٹیلی گراف تار وغیرہ استعمال کرنے کا حق_ یہ سب چیزیں حاصل ہوئیں (شیلڈر، متذکرہ کتاب، پہلی جلد، صفحات 160_61)۔

چھوٹی اور بڑی ریاستوں کے درمیان اس قسم کے تعلقات ہمیشہ موجود رہے ہیں لیکن سرمایہ دارانہ سامراج کے دور میں یہ تعلقات ایک عام نظام کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ "دنیا کا بٹوارہ کرنے" پرمبنی تعلقات کا لب لباب بن جاتے ہیں او رعالمی مالیاتی سرمائے کے سلسلہ عمل کی ایک کڑی۔

دنیا کے بٹوارے کے سوال سے پوری طرح نبٹنے کے لئے ہمیں مندرجہ ذیل

بات کا اور اضافہ کرنا چاہیے۔ یہ سوال بہت صاف صاف اور دوٹوک طریقے سے صرف ہسپانیہ اور امریکہ کی جنگ کے بعد امریکی تصنیف میں اور انگریزوں اور بائیروں کی جنگ کے بعد انگریزی تصانیف میں انیسویں صدی کا بالکل آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہی نہیں اٹھایا گیا ہے اور نہ صرف جرمن تصانیف نے جو "برطانوی سامراج" کو بہت "رشک و حسد" بھری نظروں سے دیکھتی ہیں، اس سوال پر باقاعدہ اور منظم طور پر اپنی رائے دی ہے۔ یہ سوال فرانسیسی بورژوا تصانیف میں بھی اٹھایا گیا ہے یعنی جس حد تک بورژوا نقطہ نظر سے ممکن ہے۔ ہم مورخ دری او کے قول نقل کریں گے۔ اس نے اپنی کتاب "انیسویں صدی کے آخر کے سیاسی اور سماجی مسائل" کے اس باب میں جس کا عنوان ہے "عظیم طاقتیں اور دنیا کا بٹوارہ" لکھا ہے:

"پچھلے چند برسوں میں چین کے سوا کرہ ارض کے باقی تمام آزاد علاقے پر یورپ اور شمالی امریکہ کی طاقتوں نے قبضہ کرلیا ہے۔ اس سلسلے میں حلقہ ہائے اثر میں بہت سی تبدیلیاں اور ٹکریں ہوئی ہیں۔ اور یہ مستقبل قریب میں اور بھی زیادہ خوفناک اتھل پتھل کی پیش گوئی کرتی ہیں کیونکہ عجلت سے کام لینا ضروری ہے۔ جن قوموں کو اب تک تقسیم میں کامیابی نہیں ہوئی ہے، انہیں یہ اندیشہ ہے کہ کبھی بھی اپنا حصہ نہیں ملے گا اور وہ کرہ ارض کی اس بے حد بڑے پیمانے کی لوٹ کھسوٹ میں حصہ لینے سے محروم رہیں گی جو اگلی صدی" (یعنی بیسویں صدی)" کی سب سے زیادہ بنیادی خصوصیات میں سے ایک ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے دنوں سے تمام یورپ اور امریکہ پر نوآبادیاتی توسیع کا یعنی "سامراج" کا، جو انیسویں صدی کے آخری زمانے کی سب سے زیادہ قابل ذکر اور نمایاں خصوصیت ہے، بری طرح

دورہ پڑا ہوا ہے"۔اور مصنف مزید لکھتا ہے:

"دنیا کے اس حصے بخرے کرنے میں، کرہ ارض کی بڑی بڑی منڈیوں او رخزانوں کی اس دیوانہ وار تلاش میں انیسویں صدی میں قائم کی ہوئی سلطنتوں کی نسبتی قوت میں اور اس مقام میں قطعی کوئی تناسب نہیں ہے جو ان سلطنتوں کو قائم کرنے والی، غالب اور باا ثر طاقتیں پوری دنیا میں اسی قدر غالب اور باا ثر نہیں ہیں۔چنانچہ جب نو آبادیاتی قوت کا ردعمل، اس تمام دولت کا (جس کا ابھی اندازہ بھی نہیں لگایا گیا ہے) مالک ہونے کی امید کا ردعمل، یورپی طاقتوں کی نسبتی قوت پر نمایاں طور سے اثر انداز ہوگا تو یہ نو آبادیاتی سوال ــــ یا آپ چاہیں تو اسے "سامراج" کہہ لیجئے۔جس نے اب تک خود یورپ کی سیاسی حالات میں تبدیلیاں پیدا کی ہیں، آئندہ اور زیادہ تبدیلیاں کرے گا"۔

J. E. Driault, Problemes politiques et sociaux, Paris, 1907.

7۔سامراج ــــ سرمایہ داری کی ایک خاص منزل کی حیثیت سے

اب ہمیں ان سب باتوں کا خلاصہ پیش کرنے، ان کو یکجا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو سامراج کے موضوع پر کہی گئی ہیں۔سامراج کا ابھار سرمایہ داری کی عام بنیادی خصوصیات ہی کے براہ راست تسلسل اور ارتقا کے حیثیت سے ہوا۔لیکن سرمایہ داری اپنے ارتقا کی ایک مخصوص اور بہت بلند منزل پر پہنچ کر ہی سرمایہ دارانہ سامراج بن سکی یعنی جب اس کی بعض بنیادہ خصوصیتیں اپنی ضد میں تبدیل ہونا شروع ہوئیں، جب سرمایہ داری سے گذر کر اس سے بلند تر سماجی اور معاشی نظام تک لے جانے والے عبوری دور کی تمام تر خصوصیات تمام شعبوں میں تشکیل پا کر

ظاہر ہوگئیں۔معاشی لحاظ سے اس عمل میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ سرمادارانہ اجارے داری نے سرمایہ دارانہ آزاد مقابلے کی جگہ لے لی۔آزاد مقابلہ سرمایہ داری کی ،اور عام ،طور پر اجناس کی پیداوار کی بنیادی خصوصیت ہے اور اجارہ داری آزاد مقابلے کی عین ضد ہے۔لیکن ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے آزاد مقابلے کو اجارہ داری میں تبدیل ہوتے ،چھوٹی صنعت کو نکال باہر کرتے اور بڑی صنعت کی تخلیق کرتے ،بڑے پیانے کی صنعت کی جگہ اور زیادہ بڑے پیانے کی صنعت کو دیتے اور سرمائے اور پیداوار کے ارتکاز کو اس حد تک لے جاتے ہوئے دیکھا ہے جہاں اس سے اجارہ داری، یعنی کارٹیل، سینڈیکیٹ اور ٹرسٹ، کی تخلیق ہوتی ہے اور ہو رہی ہے۔اور ان کے اندر کوئی درجن بھر بینکوں کے سرمائے کو ضم ہوتے دیکھا ہے جو اربوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ اجارہ داریاں جو آزاد مقابلے ہی سے ابھری اور بڑھی ہیں، آزاد مقابلے کا بالکل قلع قمع نہیں کرتیں بلکہ اس کے اوپر اور اس کے پہلو بہ پہلو موجود رہتی ہیں۔یہی چیز متعدد شدید اور تند و تیز تضادوں، جھگڑوں، تصادموں کو جنم دیتی ہے۔ اجارہ داری، سرمایہ داری سے بلند تر نظام تک کا عبوری دور ہے۔

اگر سامراج کی حتی الامکان مختصر ترین تعریف کرنے کی ضرورت ہو تو ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ سامراج سرمایہ داری کی اجارہ دارانہ منزل ہے۔اس تعریف میں اہم ترین عناصر شامل ہیں کیونکہ ایک طرف تو مالیاتی سرمایہ مٹھی بھر بڑے بڑے اجارہ دار بینکوں کا بینکی سرمایہ ہے جو صنعت کے مالکوں کے اجارہ دار اتحادوں کے سرمائے میں ضم ہوگیا ہے۔دوسری طرف، دنیا کا بٹوارہ ایک نوآبادیاتی پالیسی سے گزر کر دوسری نوآبادیاتی پالیسی منزل میں قدم رکھنے کا عبوری دور ہے یعنی اس نو

آبادیاتی پالیسی سے گزر کر، جو بلا کسی مزاحمت اور روک ٹوک کے ان علاقوں پر عمل دخل پیدا کر سکی ہے جن پر کسی سرمایہ دار طاقت نے پہلے سے قبضہ نہیں کیا تھا۔ دنیا کے مکمل طور پر تقسیم شدہ علاقے پر اجارہ دارانہ قبضہ کرنے کی نوآبادیاتی پالیسی کی طرف قدم ہے۔ بہت مختصر تعریفیں چونکہ بنیادی نکات کا خلاصہ پیش کر دیتی ہیں اس لئے وہ خاصی مفید تو ضرور ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود نا کافی بھی ہوتی ہیں کیونکہ جس مظہر کی تعریف کرنی ہو، اس کی بہت اہم خصوصیتوں کی خاص طور سے تلاش کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا عام طور پر تمام تعریفوں کی اضافی اور مشروط قدر و قیمت کو بھلانے بغیر، جو کبھی بھی کسی مظہر کے مکمل ارتقا کی تمام سلسلہ بندیوں کو محیط نہیں کر سکتیں، ہمیں سامراج کی ایک تعریف پیش کرنی چاہئے جس میں اس کی پانچ مندرجہ ذیل بنیادی خصوصیات شامل ہوں: (1) پیداوار اور سرمائے کا ارتکاز بڑھ کر اپنے ارتقا کی اس قدر بلند منزل پر پہنچ چکا ہے کہ اس نے اجارہ داریوں کو جنم دیا ہے جو معاشی زندگی میں فیصلہ کن زندگی میں رول ادا کرتی ہیں؛ (2) بینک کا سرمایہ اور صنعتی سرمایہ ایک دوسرے میں ضم ہو گئے اس "مالیاتی سرمائے" کی بنیاد پر مالیاتی اولیگارشی وجود میں آئی ہے؛ (3) سرمائے کی برآمد جو اجناس کی برآمد سے مختلف ہے، غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتی ہے؛ (4) سرمایہ داروں کی بین اقوامی اجارہ دار اتحادوں کی تشکیل ہوتی ہے جو آپس میں دنیا کے حصے بخرے کر لیتے ہیں اور (5) سب سے بڑی سرمایہ دار طاقتوں کے درمیان دنیا کا علاقائی بٹوارہ مکمل ہو چکا ہے۔ سامراج سرمایہ داری کے ارتقا کا وہ دور ہے جس میں اجارہ داریوں اور مالیاتی سرمائے کا راج قائم ہو چکا ہے، جس میں سرمایہ کی برآمد نمایاں اہمیت اختیار کر چکی ہے، جس میں بین اقوامی ٹرسٹوں کے درمیان دنیا کا بٹوارہ شروع ہو گیا ہے اور جس میں سب سے بڑی

سرمایہ دار طاقتوں کے درمیان کرہ ارض کے تمام علاقوں کی تقسیم مکمل ہو چکی ہے۔

آ گے چل کر ہم دیکھے گئے کہ اگر ہم صرف بنیادی، خالص معاشی تصورات ہی کو مدنظر نہ رکھیں (اور مذکورہ بالا تعریف انہیں تک محدود ہے) بلکہ مجموعی طور پر سرمایہ داری میں سرمایہ داری کے اس دور کے تاریخی مقام کو، یا سامراج اور مزدور تحریک کے دو خاص بنیادی رجحانات کے تعلق کو بھی پیش نظر رکھیں تو سامراج کی اس سے مختلف تعریف ہوسکتی ہے اور ہونی چاہئے کہ سامراج کا جو مطلب اوپر بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں سامراج بلاشبہ سرمایہ داری کے ارتقا کا ایک خاص دور ہے۔ قاری کو سامراج کا ایک مضبوط بنیاد پر مبنی تصور دینے کی غرض سے ہم نے جان بوجھ کر بورژوا ماہرین معاشیات کے بیانوں کا زیادہ حوالہ دینے کی کوشش کی ہے جو جدید ترین سرمایہ دارانہ معیشت کے خاص طور پر نا قابل تردید حقائق کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔اسی مقصد کے پیش نظر ہم نے تفصیلی اعداد وشمار نقل کئے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ بینک کے سرمائے میں کس حد تک اضافہ ہوا ہے وغیرہ" اور کمیت کے کیفیت میں تبدیل ہونے کا، ترقی یافتہ سرمایہ داری کے سامراج میں تبدیل ہونے کا اظہار کس چیز میں ہوا ہے۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ فطرت اور سماج کی تمام حدود شروط اور تغیر پذیر ہیں ۔مثلاً اس پر بحث مباحثہ کرنا سراسر حماقت ہے کہ کس خاص یا کا خاص دہائی میں سامراج نے "قطعی طور پر "جنم لیا تھا۔

لیکن سامراج کی تعریف کے سلسلے میں ہمیں سب سے پہلے کاؤتسکی سے بحث کرنی ہے جو نام نہاد دوسری انٹرنیشنل کا یعنی 1889 اور 1914 کے بیچ کے پچیس برسوں کا، سب سے بڑا مارکسی نظریہ داں تھا۔ہم نے سامراج کی تعریف میں جن بنیادی خیالات کا اظہار کیا تھا، ان پر کاؤتسکی نے 1915 میں بلکہ نومبر

1914 ہی میں، بڑے عزم مصمم کے ساتھ حملہ کیا۔ اس نے کہا کہ سامراج کا معیشت کا ایک "دور" یا منزل نہ سمجھنا چاہئے بلکہ ایک ایسی پالیسی سمجھنا چاہئے، ایک مخصوص پالیسی جسے مالیاتی سرمایہ "ترجیح دیتا ہے"۔اس نے کہا کہ سامراج کو" موجودہ سرمایہ داری" کے "مترادف" نہ سمجھنا چاہئے اور یہ کہ اگر سامراج کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ وہ "موجودہ سرمایہ داری کے تمام مظاہر" کارٹیل، درآمدی سامان پر حفاظتی کسٹم ڈیوٹی، سرمایہ کاروں کا غلبہ اور نوآبادیاتی پالیسی، کے ہم معنی ہے تو پھر اس سوال کی حیثیت کہ سامراج سرمایہ داری کے لئے ضروری ہے یا نہیں محض "ایک اتھلے قسم کی تکرار معنی" سے زیادہ اور کچھ نہیں رہے گی کیونکہ اس صورت میں تو "سامراج قدرتی طور پر سرمایہ داری کے لئے بے حد ضروری چیز ہے" وغیرہ وغیرہ۔کاؤتسکی کے خیال کو پیش کونے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم سامراج کے متعلق خود اس کی ہی تعریف یہاں نقل کردیں جو ہمارے پیش کئے ہوئے خیالات کے مغز کی عین ضد ہے (کیونکہ جرمن مارکسیسٹوں کے کمیپ کے اعتراضات جو کئی سال سے اسی قسم کے خیالات کی علم برادری کررہے ہیں، کاؤتسکی کے لئے نئے ہیں اور وہ انھیں مارکس ازم کے ایک مخصوص رجحان کے اعتراضات کی حیثیت سے عرصے سے جانتا ہے)۔

کاؤتسکی کی تعریف مندرجہ ذیل ہے۔

"سامراج بہت زیادہ ترقی یافتہ صنعتی سرمایہ داری کی پیداوار ہے۔یہ صنعتی لحاظ سے انتہائی ترقی یافتہ ہر سرمایہ دار قوم کی بڑے بڑے زرعی (کاؤتسکی نے اس لفظ پر زور دیا ہے) علاقوں کو اپنے تحت لانے یا ان کا بزور الحاق کرنے کی کوششوں پر مشتمل ہے، ان علاقوں میں خواہ کوئی بھی قوم میں رہتی ہوں"

Die Neue Zeit,1914, 2 (B. 32), s. 909,

sept,11, 1914; cf 1915, 2, s. 107 et seq.

یہ تعریف بالکل بےکار اور ناقص ہے کیونکہ یہ یک طرفہ ہے یعنی من مانے طور پر صرف قومی سوال کو چن لیتی ہے (حالانکہ یہ سوال بجائے خود بےحد اہم ہے اور سامراج کے ساتھ اپنے تعلق کے لحاظ سے بھی)، یہ تعریف من مانے اور غلط طور پر اس سوال کا صرف ان ملکوں کے صنعتی سرمائے سے ناطہ جوڑتی ہے جو دوسری قوموں کا طاقت کے بل پر الحاق کرتے ہیں اور اسی قدر من مانے اور اتنے ہی غلط طور پر یہ تعریف علاقوں کے الحاق کو سب سے آگے لا کھڑا کرتی ہے۔

سامراج الحاق کی کوششوں کا نام ہے یہ ہے کاؤتسکی کی تعریف کے سیاسی حصے کا لب لباب۔ یہ ٹھیک تو ہے لیکن نامکمل ہے کیونکہ سیاسی لحاظ سے سامراج عام طور پر رجعت پرستی اور تشدد کی کوششوں کا نام ہے۔ بہر حال اس وقت ہمیں اس سوال کے معاشی پہلو سے دلچسپی ہے جسے خود کاؤتسکی نے اپنی تعریف میں شامل کر دیا ہے۔ کاؤتسکی کی تفسیر کی کوتاہیاں بہت ہی نمایاں ہیں۔ صنعتی سرمایہ نہیں، بلکہ مالیاتی سرمایہ سامراج کی بنیادی اور نمایاں خصوصیت ہے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ فرانس میں مالیاتی سرمائے کی غیر معمولی تیز رفتار ترقی اور صنعتی سرمائے کی کمزوری ہی نے پچھلی صدی کی نویں دہائی کے آغاز سے الحاق کی (نو آبادیاتی) پالیسی میں انتہائی شدت اور تیزی پیدا کی۔ ٹھیک یہی چیز سامراج کی نمایاں اور بنیادی خصوصیت ہے کہ وہ صرف زرعی علاقوں کا ہی نہیں بلکہ صنعتی لحاظ سے بہت ترقی یافتہ علاقوں کا بھی الحاق کرنے کی کوشش کرتا ہے (جرمنی کی بلجیم کو ہڑپ کرنے کی خواہش، فرانس کی لارین کو ہڑپ کرنے کی خواہش)، کیونکہ اول یہ بات کہ دنیا

کا پہلے ہی بٹوارہ ہو چکا ہے، تقسیم نو کا اردہ کرنے والوں کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ ہر قسم کے علاقے کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ دوسرے، یکسر تسلط (hegemony) کی کوشش کے سلسلے میں یعنی براہ راست اپنی خاطر علاقے فتح کرنے سے زیادہ اس مقصد کے لئے علاقے فتح کرنے کی کوشش میں کہ اپنے حریف کو کمزور کریں اور اس کے اجارہ دارانہ تسلط کی جڑ کاٹیں، کئی بڑی طاقتوں کے درمیان رقابت کا ہونا سامراج کی ایک بنیادی خصوصیت ہے (انگلستان کے خلاف کارروائیاں کرنے کے اڈے کی حیثیت سے جرمنی کے واسطے بلجیم بہت اہمیت رکھتا ہے، انگلستان کو جرمنی کے خلاف کارروائیاں کرنے کے اڈے کے طور پر بغداد کی ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ)۔

کاؤتسکی خاص طور پر اور بار بار انگریز مصنفین کا حوالہ دیتا ہے جنہوں نے گویا لفظ سامراج کو خالص سیاسی مفہوم دیا ہے یعنی وہ مفہوم جس کے مطابق خود کاؤتسکی سمجھتا ہے۔ ۔ہم انگریز مصنف ہوبسن کی تصنیف "سامراج" کو جو 1906 میں شائع ہوئی تھی، لیتے ہیں تو اس میں ہمیں یہ عبارت ملتی ہے "نیا سامراج پرانے سامراج سے مختلف ہے، ایک تو اس سے لحاظ سے کہ وہ ایک واحد پھلتی پھولتی سلطنت کے حوصلوں اور امنگوں کی جگہ ایک دوسرے کی مد مقابل سلطنتوں کے نظرئے اور عمل کو دے دیتا ہے، جن میں سے ہر ایک پر سیاسی اقتدار کی توسیع اور تجارتی فائدے کی ایک ہی سی ہوس اور ہوکے کا غلبہ ہے اور دوسرے، اس لحاظ سے کی نئے سامراج میں مالیات لگے ہوئے سرمائے کے مفاد (investing interests) تجارتی مفادوں پر غالب ہیں۔

۔Hobson, Imperialism, London, 1902, p.324.

ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر انگریزوں کا حوالہ دینے میں کاؤتسکی بالکل غلطی پر ہے (سوائے اس کے کہ اس کا اشارہ عامیانہ انگریز سامراجیوں کی یا سامراج کی کھلے حمایتوں کی طرف ہو)۔ہم دیکھتے ہیں کہ گو کاؤتسکی کا دعویٰ تو یہی ہے کہ وہ اب بھی مارکس ازم کا علم بردار ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوشل لبرل ہوبسن کے مقابلے میں وہ ایک قدم پیچھے ہی ہٹ جاتا ہے جو زیادہ صحیح طریقے سے جدید سامراج کی " تاریخی اعتبار سے" دو ٹھوس خصوصیتوں کو پیش نظر رکھتا ہے (کاؤتسکی کی تعریف تو تاریخی ٹھوس پن کا منہ چڑانے کے برابر ہے)اور خصوصیتیں یہ ہیں۔(1) کئی سامراجوں کا آپس میں مقابلہ اور (2) اور خصوصیتیں (financier) کا تاجر پر غالب ہونا۔اگر یہ خاص طور پر صنعتی ملکوں کے ہاتھوں زرعی ملکوں کا بزور الحاق کرنے کا سوال ہے تو تاجر کا رول سب سے زیادہ مقدم ہو جاتا ہے۔

کاؤتسکی کی تعریف صرف غلط و رمارکس ازم کے خلاف ہی نہیں ہے۔یہ ان تمام خیالات کے ایک پورے نظام کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے جن کا شروع سے آخر تک مارکسی نظریے اور مارکسی عمل سے اختلاف اور بگاڑ ہو گیا ہے۔ان کا ذکر آگے آئے گا۔کاؤتسکی الفاظ کے بارے میں جو بحث شروع کرتا ہے کہ سرمایہ داری کی جدید ترین منزل کو سامراج کہنا چاہئے یا مالیاتی سرمائے کا دور، وہ بالکل سطحی اور غیر سنجیدہ چیز ہے۔اس کو جو آپ کا دل چاہے کہئے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس مسئلے کا لب لباب یہ ہے کہ کاؤتسکی نے سامراج کی سیاست کو معیشت سے بالکل علیحدہ کر دیا ہے، وہ الحاق کی پالیسی کا اس طرح ذکر کرتا ہے کہ اس پالیسی کو مالیاتی سرمایہ "ترجیح دیتا ہے" جو کاؤتسکی اس کے قول کے مطابق مالیاتی سرمائے کی بالکل اسی بنیاد پر ممکن ہو سکتی ہے۔تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معیشت کے میدان میں

اجارے داریوں اور سیاست کا میدان میں بزور الحاق سے پاک غیر اجارہ داری اور عدم تشدد پر مبنی طریقوں کا مطابقت رکھنا ممکن ہے۔گویا اس کا یہ مطلب ہو کہ دنیا کا علاقائی بٹوارہ جو اسی مالیاتی سرمائے کے دور میں مکمل ہوا ہے اور جو سب سے بڑی سرمایہ دار طاقتوں کی باہمی رقابت کی موجودہ مخصوص شکلوں کی بنیاد ہے، اس میں اور ایک غیر سامراجی پالیسی میں مطابقت ہو سکتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ داری کی جدید ترین منزل کے انتہائی بنیادی اور عمیق تضادات کی گہرائی کو بے نقاب کرنے کے بجائے ان پر پردہ ڈالا جاتا ہے، ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔نتیجہ مارکس ازم کے بجائے بورژوا اصلاح پرستی ہے۔

کاؤتسکی سامراج اور الحاق کے جرمن حمایتی کونوف کے ساتھ مباحثہ چھیڑ دیتا ہے جو بڑے پھوہڑپن اور بدخوئی سے کہتا ہے کہ سامراج موجودہ سرمایہ داری ہی نام ہے اور سرمایہ داری کا ارتقا ناگزیر اور ترقی پسند ہے، اس لئے سامراج ترقی پسند ہے، لہذا ہمیں اس کے آگے سجدے کرنا چاہئیں اور اس کی شان میں قصیدے پڑھنے چاہئیں۔ یہ روسی مارکسسٹوں کے اس کارٹون سے ملتی جلتی سی چیز ہے جو 1894-1895 میں نروڈنکوں (22) نے پیش کیا تھا۔انہوں نے اس طرح استدلال کیا تھا۔اگر مارکسسٹوں کو یقین ہے کہ روس میں سرمایہ داری کا آنا ناگزیر ہے اور سرمایہ داری ترقی پسند ہے تو انھیں ایک شراب خانے کھول کر سرمایہ داری کے بیج بونے شروع کر دینے چاہئیں۔کاؤتسکی نے کونوف کو مندرجہ ذیل جواب دیا ہے: نہیں، سامراج موجودہ سرمایہ داری نہیں ہے، وہ تو فقط موجودہ سرمایہ داری کی پالیسی کی مختلف شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔اس پالیسی سے، سامراج سے، الحاق وغیرہ سے ہم لڑ سکتے ہیں اور ہمیں لڑنا چاہئے۔

یہ جواب بظاہر معقول معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ سامراج کے ساتھ مصالحت کی وکالت کا ایک زیادہ ڈھکا چھپا (اور اسی لئے زیادہ خطرناک بھی ہے،)زیادہ گہرا اور پرفریب بہروپ ہے کیونکہ ٹرسٹوں اور بینکوں کی پالیسی کے خلاف ایسی "لڑئی" جوان کی معاشی بنیاد پر کوئی اثر نہ ڈالنے، بورژوا اصلاح پرستی اور مجہول امن پرستی (pacifism) کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں، وہ محض نیک خواہشات کا نیک دلی اور معصومیت سے لبریز اظہار ہے۔موجودہ تضادوں کی تمام تر گہرائیوں کو بے نقاب کرنے کے بجائے ان کے اعتراف سے پہلوتہی کرنا اوران میں سے سب سے اہم تضاد کو بھول جانا۔یہ ہے کاؤتسکی کا نظریہ جس میں اور مارکس ازم میں کوئی قدرمشترک نہیں ہے۔قدرتی بات ہے کہ ایسا "نظریہ" کونوف کے ساتھ اتحاد کی وکالت کا مقصد انجام دینے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔

کاؤتسکی لکھتا ہے "خالص معاشی نقطہ نظر سے یہ بات ناممکن نہیں کہ سرمایہ داری ابھی ایک نئے دور سے یعنی کارٹیلوں کی پالیسی کے خارجی پالیسی کے دائرے میں بڑھنے کے، بالائے سامراج (ultraimperialism) کے دور سے گزرے گی۔"

Zeit, 1914, 2 (b.32), s. 921, sept, Die Neu 11, 1914, cf, 1915, 2S. 107, etseq.

دوسرے الفاظ میں ماورائے سامراج کا دورتمام دنیا کے سامراجوں کی باہمی جدوجہد کے بجائے ان کے درمیان میل ملاپ کا دور، ایک ایسا دور جب سرمایہ دار نظام میں جنگیں ناپید ہو جائیں گی، "بین اقوامی طور پر متحد مالیاتی سرمائے کے دنیا کا مل جل کر استحصال کرنے کا دور ہے۔

Die Neue Zeit,1915, i, s. 144, April 30,1915.

ہم آگے چل کر اس "بالائے سامراج کے نظریے" سے بحث کریں گے تاکہ تفصیلی طور پر یہ دکھاسکیں کہ کس قدر مکمل طور پر اور ہمیشہ کے لئے یہ نظریہ مارکس ازم سے ٹوٹ کر الگ ہوگیا ہے۔ فی الحال اپنی اس تصنیف کے عام خاکے مطابق ہمیں چاہئے کہ اس سوال پر جتنا ٹھیک ٹھیک معاشی مواد موجود ہے، اس کی جانچ پڑتال کریں۔ "خالص معاشی نقطہ نظر سے "بالائے سامراج" ممکن ہے یا یہ چیز بالائے بکواس ہے؟

اگر خالص معاشی نقطہ نظر کا مطلب ہے "خالص" تجرید تو لے دے کر فقط اتنی بات کہی جاسکتی ہے: ارتقاء کا رخ اجارے داریوں کی طرف ہے، جس کا مطلب ہے ایک واحد عالمی اجارے کی، ایک واحد عالمی ٹرسٹ کی طرف۔ اس پر بحث کی کوئی گنجائش ہی نہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی اتنی ہی بے معنی ہے جتنا یہ کہنا کہ "ارتقاء کا رخ" لیبارٹریوں میں غذائی چیزیں تیار کرنے کی طرف ہے۔ اس مفہوم میں بالائے سامراج کا "نظریہ" بھی اسی قدر مہمل ہے جتنا "بالائے زراعت کا نظریہ" ہوسکتا ہے۔

لیکن اگر ہم مالیاتی سرمائے کے دور کے "خالص معاشی" حالات سے بحث کررہے ہیں جو تاریخی لحاظ سے ٹھوس دور کی حیثیت سے بیسویں صدی کے آغاز میں شروع ہوا ہے، تو "بالائے سامراج" کی بے جان تجریدوں کا (جو صرف ایک بے حد رجعت پرست مقصد یعنی موجودہ تضادات کی گہرائی اور شدت کی طرف سے توجہ ہٹانے کی کوشش کو تقویت دیتی ہیں) بہترین جواب یہی ہوسکتا ہے کہ ان مجرد باتوں کا موجودہ عالمی معیشت کے ٹھوس معاشی حقائق سے موازنہ کیا جائے۔

بالائے سامراج کے بارے میں کاؤتسکی کی انتہائی بے معنی گفتگو سے علاوہ اور باتوں کے اس بے انتہا غلط خیال کو تقویت ملتی ہے جس میں سامراج کے عذر خواہوں کا سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے یعنی یہ خیال کہ مالیاتی سرمائے کی حکمرانی عالمی معیشت کے اندر تضادوں اور ناہمواری کو کم کرتی ہے حالانکہ درحقیقت وہ انہیں بڑھاتی ہے۔

ر۔ کالویر نے اپنی چھوٹی سی کتاب " عالمی معاشیات کا تعارف " (R. Calwer Einfuhrung jn die Weltwirtschaft, Berlin , 1906.) میں بنیادی خالص معاشی مواد کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں عالمی معاشیات کے اندرونی تعلقات کی واضح تصویر مل سکتی ہے۔ وہ دنیا کو مندرجہ ذیل پانچ "بنیادی معاشی علاقوں" میں تقسیم کرتا ہے:

1۔مرکزی یورپ (روس اور برطانیہ کے علاوہ باقی سارا یورپ)، 2۔ برطانیہ، 3۔روس، 4۔مشرقی ایشیا، 5۔امریکہ۔ وہ نوآبادیوں کو ان ریاستوں کے "علاقوں" میں شامل کرتا ہے جن کی علاقہ وار تقسیم نہیں ہوئی ہے، مثلاً ایشیاء میں ایران، افغانستان اور عرب اور افریقہ میں مراکش اور حبش وغیرہ۔ ان علاقوں کے متعلق اس نے جو معاشی مواد پیش کیا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

رقبہ

آبادی

نقل وحمل

تجارت

صنعت

دنیا کے خاص خاص معاشی علاقے

لاکھ مربع میل

لاکھ

ریلیں (ہزار کلومیٹر)

تجارتی بیڑا (ہزار ٹن)

برامد اور درامد (ارب مارک)

کوئلے کی پیداوار (لاکھ ٹن)

کچے لوہے کی پیداوار (لاکھ ٹن

سوت کی چرخیوں کی تعداد (لاکھ)

1۔ مرکزی یورپی

276

(236)

3880

(1460

204

80

41

2510

150

260

2۔برطانوی

289

(296)

3980

(3550)

140

110

25

2490

90

510

3۔روسی

220

1310

63

10

3

160

30

70

4۔مشرقی ایشیائی

120

3890

8

10

2

80

.02

20

5۔امریکی

300

1480

379

60

14

6450

140

190

نوٹ:قوسین کے اندر جو اعداد ہیں، وہ نوآبادیوں کا رقبہ اور آبادی دکھاتے

ہیں۔

ہم تین علاقے ایسے دیکھتے ہیں جہاں سرمایہ داری بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے (دوسرے الفاظ میں ذرائع نقل وحمل اور تجارت اور صنعت بہت ترقی یافتہ ہیں) یعنی مرکزی یورپ، برطانیہ اور امریکہ کے علاقے۔ ان میں وہ تین ریاستیں شامل ہیں جن کا دنیا پر غلبہ اور تسلط ہے یعنی جرمنی، برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ۔ ان ملکوں کے درمیان سامراجی رقابت اور کشمکش بے انتہا شدید اور تیز ہو گئی ہے کیونکہ جرمنی کا رقبہ بہت چھوٹا ہے اور اس کے پاس نوآبادیاں بھی بہت کم ہیں۔"مرکزی یورپ" کی تخلیق ابھی دور کی چیز ہے، وہ بہت ہی جان توڑ جدوجہد کے دوران جنم لے رہا ہے۔ اس لمحے سیاسی انتشار تمام یورپ کی نمایاں اور ممتاز خصوصیت ہے۔ اس کے برخلاف برطانوی اور امریکی علاقوں میں سیاسی ارتکاز بہت بڑھا ہوا ہے لیکن یہاں ایک ملک کی وسیع وعریض نوآبادیات اور دوسرے کی بہت ہی چھوٹی چھوٹی نوآبادیات کے درمیان بڑا زبردست تفاوت ہے۔ مگر نوآبادیوں میں سرمایہ داری کا ارتقاء ابھی شروع ہی ہوا ہے۔ جنوبی امریکہ کے لئے جدوجہد روزافزوں تندوتیز ہوتی جاتی ہے۔

دو علاقے ایسے ہیں جہاں سرمایہ داری کا ارتقاء بہت کم ہے یعنی روس اور مشرقی ایشیاء۔ پہلے علاقے میں آبادی چھدری ہے اور دوسرے میں بہت زیادہ گنجان ہے۔ پہلے علاقے میں سیاسی ارتکاز اونچی سطح پر ہے، دوسرے میں سرے سے ناپید ہے۔ چین کی تقسیم ابھی ابھی شرع ہوئی ہے اور اس کی خاطر جاپان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ وغیرہ کے درمیان جدوجہد دن بدن شدید ہوتی جارہی ہے۔

اس حقیقت کا ــــ یعنی معاشی اور سیاسی حالات کی بے حد گوناگونی، مختلف

ملکوں کے ارتقاء کی رفتار کے درمیان زبردست تفاوت اور سامراجی ملکوں کی آپس کی تشدد آمیز جدوجہد کا ___ مقابلہ "پرامن" بالائے سامراج کے متعلق کاؤتسکی کی احمقانہ، بے سروپا داستان سے کیجئے۔ کیا یہ کٹھور حقیقت سے ایک ڈرے سہمے سوفسطائی کی کترانے کی رجعت پسند کوشش نہیں ہے؟ کیا بین الاقوامی کارٹیل جنھیں کاؤتسکی "بالائے سامراج" کی ابتدائی شکل تصور کرتا ہے (بالکل اسی طرح جیسے کسی لیبارٹری میں ٹکیاں تیار کرنے کو بالائے زراعت کی ابتدائی شکل کا نام دینا "ممکن" ہے)، ہاں یہی بین الاقوامی کارٹیل دنیا کی تقسیم اور تقسیم نو کی مثال، پرامن تقسیم سے پر تشدد تقسیم کی طرف اور پر تشدد تقسیم سے پرامن تقسیم کی جانب قدم رکھنے کی مثال نہیں ہیں؟ امریکی اور دوسرا مالیاتی سرمایہ جس نے جرمنی کی شرکت کے ساتھ تمام دنیا کو پرامن طریقے سے، مثلاً بین الاقوامی ریل سینڈیکیٹ یا بین الاقوامی تجارتی جہازرانی کے ٹرسٹ میں تقسیم کیا تھا، کیا اب یہی سرمایہ دنیا کی تقسیم نو کرنے میں مصروف نہیں ہے جو قوتوں کے نئے باہمی تعلقات پر مبنی ہے اور یہ تعلقات قطعی پر تشدد طریقے سے بدل رہے ہیں؟

عالمی معیشت کے مختلف حصوں کی نشوونما کی رفتار میں جو تفاوت ہوتا ہے، اسے مالیاتی سرمایہ اور ٹرسٹ کم نہیں کرتے بلکہ بڑھاتے ہیں۔ ایک دفعہ قوتوں کا توازن بدل جائے تو پھر سرمایہ دارانہ نظام کے تحت تضادوں کو حل کرنے کا طریقہ قوت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ریلوے کے اعداد و شمار (Statistsches Jahrbuch fur das deutscheReich,1915:Arvhivfur Eisenbahnwesen,1892. ،1890 میں مختلف ملکوں کی نوآبادیوں کے درمیان ریلوے کی تقسیم کے بارے میں چھوٹی اور غیر اہم تفصیلات کا کم و بیش

اندازہ لگانا پڑا تھا) عالمی معیشت میں مالیاتی سرمایہ اور سرمایہ داری کی نشوونما کی رفتار کے تفاوت کے بارے میں بے حد صحیح مواد مہیا کرتے ہیں۔ سامراج کے ارتقاء کی آخری دہائیوں میں ریلوے کی لمبائی میں حسب ذیل تبدیلیاں ہوئی ہیں:

ریلیں

ہزار کلومیٹر

1890

1913

اضافہ

یورپ

224

346

122

ریاستہائے متحدہ امریکہ

268

411

143

تمام نوآبادیاں

82

210

128

ایشیا اور امریکہ کے خودمختار

125{

347{

222{

اور نیم خودمختار ملک

43

137

94

کل میزان

617

1104

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوآبادیوں اور ایشیاء اور امریکہ کی خودمختاری (اور نیم خودمختاری) ریاستوں میں ریلوں کی ترقی سب سے زیادہ تیز رفتار رہی۔ یہاں، جیسا کہ ہم جانتے ہیں، چار یا پانچ سب سے بڑے سرمایہ دار ملکوں کے مالیاتی سرمائے کا مکمل راج ہے۔ نوآبادیوں میں اور ایشیاء اور امریکہ کے دوسرے ملکوں میں دو لاکھ کلومیٹر نئی ریلوے لائنیں ہیں جن میں 40 ارب مارک سے زیادہ کا سرمایہ حال ہی میں خاص طور پر منافع بخش شرائط پر لگایا گیا ہے۔ اس میں خوب اچھی آمدنی کی گارنٹی اور فولاد کے کارخانوں کے منافع بخش آرڈر وغیرہ وغیرہ ہیں۔

نوآبادیوں اور سمندر پار کے ملکوں میں سرمایہ داری سب سے زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ آخر الذکر ملکوں کے درمیان نئی سامراجی طاقتیں ابھر رہی ہیں

(مثلاً جاپان)۔ عالمی سامراجیوں کی باہمی کشمکش زیادہ شدید ہوتی جارہی ہے۔ مالیاتی سرمائے نے نوآبادیوں اور سمندر پار ملکوں کے سب سے زیادہ منافع بخش کاروباروں پر جو خراج لگایا ہے، وہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس "مال غنیمت" کے بٹوارے میں بے حد بڑا حصہ ان ملکوں کو ملتا ہے جو پیداواری قوتوں کی نشوونما کی تیزی کے لحاظ سے ہمیشہ سرفہرست نہیں ہوتے۔ سب سے بڑے ملکوں میں مع ان کی نوآبادیوں کے ریلوں کی لمبائی مندرجہ ذیل ہے:

ہزار کلومیٹر

1890

1913

اضافہ

ریاستہائے متحدہ امریکہ

268

413

140

سلطنت برطانیہ

107

208

101

روس

32

78

46

جرمنی

43

68

25

فرانس

41

63

22

پانچ طاقتوں کا میزن

491

830

339

تو موجودہ ریلوں کا 80 فیصدی حصہ سب سے بڑی پانچ طاقتوں کے ہاتھ میں مرکوز ہے۔ لیکن ان ریلوں کی ملکیت کا ارتکاز یعنی مالیاتی سرمائے کا ارتکاز اس سے بہت زیادہ ہے کیونکہ مثال کے طور پر فرانسیسی اور برطانوی کروڑ پتی امریکی روسی اور دوسری ریلوں کے بے شمار حصوں اور بانڈوں کے مالک ہیں۔

اپنی نوآبادیوں کے طفیل برطانیہ "اپنی" ریلوں کی لمبائی ایک لاکھ کلومیٹر او ربڑھا سکا ہے یعنی جرمنی سے چار گنا زیادہ۔ حالانکہ اس بات سے سبھی واقف ہیں

کہ اس زمانے میں جرمنی میں پیداواری قوتوں، خصوصاً کوئلے اور لوہے کی صنعتوں کے ارتقاء کی رفتار انگلستان سے کہیں زیادہ تیز رہی ہے، اور فرانس اور روس کا تو ذکر ہی کیا۔ 1892 میں جرمنی نے 49 لاکھ ٹن کچا لوہا تیار کیا اور برطانیہ نے 68 لاکھ ٹن۔ 1912 میں جرمنی نے ایک کروڑ 76 لاکھ ٹن اور برطانیہ نے 90 لاکھ ٹن۔ لہٰذا اس معاملے میں جرمنی کو برطانیہ پر بے انتہا فوقیت تھی (Cf . also edgar Crammond {The Economic Relations of the British and the German Empires } in the Journal of the Royal Statistical Society, 1914, july ,P.777et seq)۔ سوال یہ ہے:

سرمایہ داری کے تحت ایک طرف، پیداواری قوتوں کی نشوونما اور سرمائے کے اجتماع کے ارتقاء اور دوسری طرف، مالیاتی سرمائے کے "حلقہ ہائے اثر" اور نو آبادیوں کی تقسیم کے درمیان جو تفاوت ہے، اسے دور کرنے کا جنگ کے علاوہ اور کیا ذریعہ ہوسکتا ہے؟

8۔ سرمایہ داری کی مفت خوری اور زوال پزیری

اب ہمیں سامراج کے ایک اور پہلو کا معائنہ کرنا ہے جسے اس موضوع پر تمام بحث مباحثوں میں عام طور پر نا کافی اہمیت دی جاتی ہے۔ مارکسسٹ ہیلفر ڈنگ کی ایک خامی یہ ہے کہ وہ غیر مارکسی ہوبسن کے مقابلے میں ایک قدم پیچھے چلا جاتا ہے۔ ہمارا اشارہ مفت خوری کی طرف ہے جو سامراج کی نمایاں خصوصیت ہے۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اجارہ داری، سامراج کی سب سے گہری معاشی بنیاد ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ اجارہ داری ہے، یعنی وہ اجارہ داری جس نے سرمایہ

داری کے بطن سے جنم لیا ہے اور جو سرمایہ داری کے، اجناس کی پیداوار اور مقابلے کے عام ماحول میں موجود ہے اور اس عام ماحول کے اور اجارے داری کے درمیان ایک دائمی اور نا قابل حل تضاد بھی رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہر قسم کی اجارے داری کی طرح یہ اجارہ داری بھی لازمی طور پر جمود اور زوال پزیری کے رجحان کو جنم دیتی ہے۔ جس حد تک اجارہ دارانہ قیمتیں مقرر ہو جاتی ہیں ___ خواہ عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہوں ___ اسی حد تک تکنیکی ترقی میں جان بوجھ کر روڑے اٹکانے کا معاشی امکان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً امریکہ میں کسی اوونیس نے ایک مشین ایجاد کی جس نے بوتل ساز صنعت میں انقلاب پیدا کر دیا۔ جرمن بوتل سازوں کے کارٹیل نے اوونیس کا پیٹنٹ خرید لیا لیکن خرید کر اسے طاق نسیاں پر رکھ دیا اور اسے استعمال نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ سرمایہ داری میں اجارہ داری مکمل طور پر اور بہت طویل مدت کے لئے مقابلے کو عالمی منڈی سے کبھی ختم نہیں کر سکتی (اور ضمناً یہ کہہ دیا جائے کہ علاوہ اور وجوہ کے اس ایک وجہ سے بھی بالائے سامراج کا نظریہ اس قدر مہمل ہے)۔ یہ ظاہر ہے کہ بہتر تکنیک کے استعمال کے ذریعہ پیداوار کی لاگت گھٹانے اور منافع بڑھانے کا امکان تبدیلی کی سمت لے جاتا ہے۔ لیکن جمود اور زوال پزیری کا رجحان جو اجارے داری کی نمایاں خصوصیت ہے، مسلسل مصروف عمل رہتا ہے اور صنعت کے بعض شعبوں میں بعض ملکوں میں اور بعض زمانوں میں یہ رجحان غالب ہو جاتا ہے۔ بہت سے وسیع و عریض، دولت مند یا مناسب محل وقوع والی نوآبادیوں کا اجارہ بھی اسی سمت لے جاتا ہے۔

اس کے علاوہ سامراج صرف چند ملکوں میں زر سرمائے کے بے حد بڑے اجتماع کا نام ہے جو کاغذات زر میں ایک کھرب سے ایک کھرب پچاس ارب

فرانک تک کے برابر ہے۔اس کے نتیجے میں منافع خوروں (Rentiers) کے طبقے بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ منافع خوروں کے ایک سماجی حلقے کا فروغ ہے یعنی ایسے لوگوں کا فروغ جو "چیک کاٹ کر" زندہ رہتے ہیں، جو کسی کاروبار میں کوئی حصہ نہیں لیتے اور جن کا پیشہ ہی کاہلی ہے۔سرمائے کی برآمد جو سامراج کی سب سے زیادہ اہم ہ اور اساسی معاشی بنیادوں میں سے ایک ہے، ان منافع خوروں کا پیداوار سے اور بھی زیادہ مکمل طور پر ناطہ توڑ دیتی ہے اور اس پورے ملک پر جو سمندر پار کے کئی ملکوں اور نوآبادیوں کی محنت کے استحصال پر گزر بسر کرتا ہے، مفت خوری کی مہر ثبت کر دیتی ہے۔

ہوبسن لکھتا ہے " 1893 میں بدیس میں لگا ہوا برطانوی سرمایہ پوری سلطنت برطانیہ کی مجموعی دولت کے 15 فیصدی کے برابر تھا" (Hobson، ایضاً صفحات 59_60)۔ہم قاری کو یاد دلائیں گے کہ 1915 تک اس سرمائے میں ڈھائی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ آگے چل کر ہوبسن کہتا ہے" جارحانہ سامراج جو ٹیکس ادا کرنے کے لئے اس قدر کم فائدہ مند ہوتا ہے ___ ایسے سرمایہ داروں کے واسطے بڑے پیمانے پر حصول دولت کا ذریعہ جو اپنا سرمایہ لگانے کی کھوج کرتے ہیں " ___ (انگریزی میں اس کے لئے ایک اصطلاح ہے ___Investor یعنی "سرمایہ کار")۔" جو سالانہ آمدنی برطانیہ کو اپنی تمام بدیسی اور نوآبادیاتی تجارت، برآمد اور درآمد سے حاصل ہوتی ہے، وہ آمدنی سرگفن کے تخمینے کے مطابق 1899 میں بقدر ایک کروڑ 80 لاکھ پونڈ اسٹرلنگ (تقریباً 17 کروڑ روبل) ہے۔ یہ رقم 80 کروڑ پونڈ اسٹرلنگ کی پوری گردش (Turn over) پر ڈھائی فیصدی کے حساب سے حاصل ہوئی ہے"۔یہ رقم اگرچہ بہت بڑی ہے لیکن اس سے برطانیہ کے

جارحانہ سامراج کی توضیح نہیں ہوسکتی۔ اس کی توضیح تو ہوتی ہے 9 سے 10 کروڑ پونڈ اسٹرلنگ تک کی اس آمدنی سے جو "لگائے ہوئے "سرمائے سے حاصل ہوتی ہے، یعنی منافع خوروں کی آمدنی سے۔

منافع خوروں کی آمدنی دنیا کے سب بڑے "تاجر" **ملک** کی تمام بدیسی تجارت سے حاصل ہونے والی آمدنی سے پانچ گنا ہے! یہ ہے سامراج اور سامراجی مفت خوری کا لب لباب۔

اسی وجہ سے "منافع خورریاست" (Rentnerstaat) یا سود خورریاست کی اصطلاح سامراج کے موضوع پر لکھی جانے والی معاشی تصانیف میں روز بروز زیادہ مستعمل ہوتی جارہی ہے۔ دنیا اس طرح بٹ گئی ہے کہ ایک طرف مٹھی بھر سود خورریاستیں ہیں اور دوسری طرف قرض دار ریاستوں کی بہت بڑی اکثریت ہے۔ شولستے گےویرنیتیس لکھتا ہے:

"جن بدیسی ملکوں میں سرمایہ لگایا گیا ہے، ان کی فہرست میں سب سے پہلے سیاسی لحاظ سے محکوم و دست نگر ملک آتے ہیں یا اتحادی **ملک** ــــ یعنی برطانیہ مصر، جاپان، چین اور جنوبی امریکہ کو قرض دیتا ہے۔ اور ان ملکوں میں اس کا بحری بیڑا بہ وقت ضرورت عدالتی کارندے کا کام انجام دیتا ہے۔ برطانیہ کی سیاسی طاقت اسے قرض داروں کے غیظ و غضب سے محفوظ رکھتی ہے"۔

(Schulze_Gsevernitz, Britischer Imperialismus, S. 320 et seq)

سارتوری اوس فون والٹیرس حاؤزین اپنی کتاب "بدیس میں سرمایہ کاری کا قومی معاشی نظام" میں ہالینڈ کا ذکر مثالی "منافع خورریاست" کے طور پر کرتا ہے او

رہتا تا ہے کہ برطانیہ اور فرانس کی بھی اب یہی نوعیت ہوتی جا رہی ہے۔

(Sartorius Von Waltershaisen, das etc ,Berlin Volkswirtschaftliche System, .),1907,Buch IV

شیلڈر کا خیال ہے کہ پانچ صنعتی ملک ـ برطانیہ، فرانس، جرمنی، بلجیم او رسوئٹزرلینڈ ـ اب "خاص طور پر نمایاں قرض دینے والے ملک" بن گئے ہیں۔ وہ اس فہرست میں ہالینڈ کو محض اس لئے شامل نہیں کرتا کہ وہ "صنعتی لحاظ سے کم ترقی یافتہ ہے۔" (Schilder , op . cit ., S . 393.)۔ریاست ہائے متحدہ امریکہ صرف امریکی ملکوں کا قرض دینے والا ہے۔

شولستے گے ورنیتیس لکھتا ہے "برطانیہ رفتہ رفتہ صنعتی ریاست سے قرض دینے والی ریاست میں تبدیل ہو رہا ہے۔ صنعتی پیداوار اور مصنوعات کی برآمد میں یقینی اور قطعی اضافے کے باوجود، پوری قومی معیشت میں اس آمدن کی نسبتی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو سود، سرمایہ مشترکہ کمپنیوں کے منافعے، کاغذات زر کے اجراء، آڑھتوں، کمیشنوں اور سٹے بازی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ میری رائے میں ٹھیک یہی عنصر سامراج کے عروج کی معاشی بنیاد ہے۔ قرض دینے والے اور قرض دار کا بندھن فروخت کرنے والے اور خریدار کے بندھن سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے (Schulze_Gaevernitz, Britischer Imperialismus, S.122.) لانسبرگ نے جو برلن کے رسالے "Die Bank" کا ناشر ہے، 1911 میں ایک مضمون "جرمنی ــــ ایک منافع خور ریاست" میں جرمن کے بارے میں یہ لکھا "جرمنی کے لوگ منافع خور بننے کی اس

آرزو کا مذاق اڑانے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں جو فرانس میں دیکھنے میں آتی ہے۔لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جہاں تک بورژوا طبقے کا تعلق ہے، جرمنی میں بھی روز بروز وہی صورت حال ہوتی جارہی ہے جو فرانس میں ہے۔"

(Die Bank ,1911,1,S.10_11)

منافع خور ریاست، مفت خور اور زوال پذیر سرمایہ داری کی ریاست ہے اور یہ صورت حال عام طور پر متعلقہ ملکوں کے تمام سماجی اور سیاسی حالات پر اور خاص طور پر مزدور تحریک کے دو بنیادی رجحانات پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس چیز کو زیادہ سے زیادہ صاف طور پر دکھانے کی غرض سے ہم ہوبسن کے الفاظ نقل کریں گے جو سب سے زیادہ "قابل اعتبار" گواہ ہے کیونکہ اس پر "مارکسی راسخ الاعتقادی" کی طرف جھکاؤ رکھنے کا مطلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ اور دوسری طرف، ہوبسن انگریز ہے اور اس ملک کی صورت حال سے خوب اچھی طرح واقف ہے جو نو آبادیوں کے، سامراجی تجربے اور مالیاتی سرمائے کے اعتبار سے سب سے زیادہ دولت مند ہے۔

ہوبسن جس کے ذہن میں انگریزوں اور بابئیروں کی جنگ کے تاثرات تازہ تھے، سامراج اور "سرمایہ کاروں" کے مفاد کے درمیان تعلق اور ٹھیکوں وغیرہ سے حاصل ہونے والے ان کے منافعوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے "اس معین مفت خوری کی پالیسی کے کرتا دھرتا تو سرمایہ دار ہی ہیں لیکن یہی محرکات مزدوروں کے مخصوص حلقوں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ بہت سے شہروں میں سب سے زیادہ اہم صنعتوں کا انحصار حکومت کے ٹھیکوں پر ہوتا ہے۔ دھات اور جہاز سازی کے مرکزوں کا سامراج بڑے حد تک اس حقیقت کا مرہون منت ہے"۔اس مصنف کی

رائے میں پرانی سلطنتوں کو کمزور کرنے والے اسباب دو قسم کے ہیں: 1۔ "معاشی مفت خوری"! 2۔ایسی فوجوں کی تشکیل جو محکوم قوموں کے لوگوں پر مشتمل تھیں۔" پہلی چیز معاشی مفت خوری کی عادت ہے جس کے تحت حکمراں ریاست اپنے حلقہ ہائے اثر، نوآبادیوں اور ماتحت ملکوں کو اپنے حکمراں طبقے کے مال و دولت میں اضافہ کرنے اور اپنے نچلے طبقوں کو رشوت دینے کے واسطے استعمال کرتی ہے تاکہ وہ خاموشی اور مسکینی سے رہیں"۔ اور ہم اس میں اتنا اضافہ اور کرتے ہیں کہ اس رشوت کی خواہ کوئی بھی شکل ہو، بہر حال اس کو معاشی لحاظ سے ممکن بنانے کے لئے اونچے اجارہ دارانہ منافعوں کی ضرورت ہے۔

اور دوسرے سبب کے بارے میں ہوبسن لکھتا ہے: "جس مجنونانہ بے نیازی کے ساتھ برطانیہ، فرانس اور دوسرے سامراجی ملک یہ راستہ اختیار کر رہے ہیں، وہ سامراج کی عاقبت نا اندیشی کی سب سے زیادہ عجیب و غریب علامتوں میں سے ایک ہے۔ برطانیہ سب سے آگے نکل گیا۔ زیادہ تر لڑائیاں جن کی مدد سے ہم نے اپنی ہندوستانی سلطنت حاصل کی، وہاں کے دیسی باشندوں ہی نے لڑی ہیں۔ ہندوستان میں اور اسی طرح حال ہی میں مصر میں بھی، بہت بڑی بڑی مستقل فوجیں برطانوی کمانڈروں کے سپرد کر دی جاتی ہیں۔ جنوبی حصے کے سوا ہمارے افریقی مقبوضات سے متعلق تقریباً ساری کی ساری لڑائیاں ہمارے لئے دیسی باشندوں نے لڑی ہیں"۔

چین کے امکانی بٹوارے کے بارے میں ہوبسن مندرجہ ذیل معاشی اندازہ پیش کرتا ہے "اس صورت میں ممکن ہے کہ مغربی یورپ کا زیادہ تر حصہ وہی شکل اور وہی کردار اختیار کر لے جو اس وقت ان ملکوں کے چند علاقے اختیار کئے ہوئے

ہیں۔جنوبی انگلستان اور ریویرا میں اور اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے سیاحوں اور دولت مندوں سے بھرے ہوئے رہائشی حصوں میں نظر آتا ہے ___ یہ امراء اور روسا کے چھوٹے چھوٹے جھنڈ ہیں جو دور دراز مشرق سے منافع اور پنشن کی رقمیں پاتے ہیں، اور جن کے پاس پیشہ ور مصاحبوں اور سوداگروں کی خاصی بڑی تعداد، گھریلو ملازموں کی بہت بڑی تعداد اور اسی طرح ان مزدوروں کی بہت بڑی تعداد بھی ان کے ساتھ ہوتی ہے جو نقل و حمل میں مصروف رہتے ہیں اور جو نا پائیدار اشیاء کے پیدا واری عمل کے آخری مرحلوں میں کام کرتے ہیں۔ ممکن ہے ساری بڑی اور بنیادی صنعتیں غائب ہو جائیں اور عام اشیائے خوردنی اور نیم مصنوعات ایشیاء اور افریقہ سے خراج کے طور پر آنے لگیں "۔" ہمیں مغربی ریاستوں کے ایک اور بھی زیادہ وسیع اتحاد کا، عظیم طاقتوں کے ایک یورپی وفاق کا، مندرجہ ذیل امکان نظر آرہا ہے: وہ عالمی تہذیب کے لئے سودمند ہونا اور اسے آگے بڑھانا تو رہا درکنار، الٹا اس بات کا زبردست خطرہ ہے کہ کہیں یہ مغربی مفت خوری کو جنم نہ دے، کہیں یہ ترقی یافتہ صنعتی قوموں کے ایک گروہ کو جنم نہ دے جن کے اونچے طبقوں کو ایشیاء اور افریقہ سے زبردست خراج وصول ہوں جن کی مدد سے وہ مصاحبوں اور ملازموں کی ایک بہت بڑی تعداد کی پرورش کرتے رہیں جو اب عام زراعتی اور صنعتی اشیاء کی پیداوار میں مشغول نہیں رہتے بلکہ ایک نئے مالیاتی اشرافیہ کی ماتحتی اور نگرانی میں نجی خدمت یا ثانوی اہمیت کے صنعتی کاموں میں وقت گزارتے ہیں۔وہ لوگ جو اس نظریے کو" (یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اس امکان کو) " قابل لحاظ نہیں سمجھتے، انہیں چاہیے کہ وہ موجودہ جنوبی انگلستان کے ان اضلاع کے معاشی اور سماجی حالات کا مطالعہ کریں جو اس حالت کو پہنچ چکے ہیں۔انہیں چاہیے کہ وہ ذرا اس بات پر سوچ بچار

کریں کہ اگر سرمایہ کاروں یا "سرمایہ لگانے والوں" اور ان کے سیاسی اور کاروباری ملازموں کے اسی قسم کے جھنڈوں کا چین پر معاشی تسلط ہو گیا تو اس نظام میں کتنی زبردست توسیع و ترقی کا امکان پیدا ہو جائے گا، اس قسم کے جھنڈوں کا جو یورپ میں خرچ کرنے کی غرض سے ایسے بڑے امکانی سرچشمے سے منافعے وصول کریں گے جس کی مثال دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ موجودہ صورت حال اتنی زیادہ پیچیدہ ہے اور عالمی قوتوں کا عمل اتنا ناقابل اندازہ ہے کہ مستقبل کے لئے صرف کسی واحد سمت کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن آج مغربی یورپ کے سامراج پر جو اثرات کام کر رہے ہیں، وہ اسی سمت میں رواں ہیں۔ اور اگر ان کا رخ کسی اور کی طرف نہ موڑا گیا یا ان کا کوئی سدباب نہ کیا گیا تو ان کا یہی انجام ہوگا"۔(Hobson، صفحات 205, 144, 335, 386, 103_)

مصنف بالکل صحیح ہے: اگر سامراج کی قوتوں کا سدباب نہ ہوا ہوتا تو وہ ٹھیک اسی انجام کی سمت لے جاتیں۔ موجودہ سامراجی صورت حال میں "یورپ کی ریاست ہائے متحدہ" کی اہمیت کے بارے میں یہاں بالکل درست رائے قائم کی گئی ہے۔ لیکن مصنف کو اتنا اضافہ اور کر دینا چاہیے تھا کہ مزدور تحریک میں بھی موقع پرست جو اس وقت زیادہ تر ملکوں میں وقتی طور پر فتح مند ہیں، بہت ہی باقاعدگی اور ثابت قدمی سے ٹھیک اسے سمت" کام کر رہے ہیں"۔ سامراج جس کا مطلب ہے دنیا کا بٹوارہ، جو چین کے علاوہ اور ملکوں کے استحصال کا نام بھی ہے، جس کا مطلب ہے مٹھی بھر، بے حد دولت مند ملکوں کے لئے اونچے اونچے اجارہ دارانہ منافعے، یہ پرولتاریہ کے اونچے حلقوں کو رشوت دینے کا معاشی امکان پیدا

کرتا ہے اور اس طرح موقع پرستی کو جنم دیتا ہے، اس کی تشکیل کرتا ہے اور اسے مضبوط کرتا ہے۔ لیکن ہمیں ان قوتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جو عام طور پر سامراج کا اور خاص طور پر موقع پرستی کا سدباب کرتی ہیں اور جنہیں دیکھنے سے سوشل لبرل ہوبسن قدرتی طور پر قاصر ہے۔

جرمن موقع پرست گیر ہارڈ ہیلڈ برانڈ نے جسے سامراج کی مدافعت کی وجہ سے پارٹی سے نکالا گیا تھا اور جو آج جرمنی کی نام نہاد "سوشل ڈیموکریٹک" پارٹی کا لیڈر ہوسکتا تھا، "مغربی یورپ کی ریاست ہائے متحدہ" (روس کے بغیر) کی تشکیل کی حمایت کر کے ہوبسن کی کمی خوب اچھی طرح پوری کی ہے جس کا مقصد افریقی حبشیوں، "عظیم اسلامی تحریک" اور "چینی جاپانی اتحاد" کے خلاف اور ایک "طاقتور بری اور بحری فوج" رکھنے وغیرہ کا "متحدہ" عمل ہوگا۔

(Gerhard Hildebrand ,Die Ersvhutterung der Industrieherrsaft und des Industriesozialismus,1910,S.229et seq)

شولستے گےویرنیتیس کی کتاب میں "برطانوی سامراج" کی جو تصویر کشی ہے، اس سے بھی سامراج کی ایسی ہی مفت خوری کی خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے۔ 1865 سے 1898 تک برطانیہ کی قومی آمدنی تقریباً دوگنی ہوئی اور اسی زمانے میں "بدلیس سے" آمدنی نوگنا ہوگئی۔ اگر سامراج کی "خوبی" یہ ہے کہ وہ حبشی کو محنت و مشقت سکھاتا ہے، (ظاہر ہے جبر کے بغیر نہیں ....) تو دوسری طرف، سامراج میں "خطرہ" یہ ہے کہ "یورپ جسمانی محنت کا بوجھ_ پہلے تو زراعت اور کان کنی کا اور پھر صنعت کے زیادہ بھاری کام کا بوجھ_ غیر سفید فام نسلوں پر ڈال

دے گا اور خود منافع خور کے رول پر قانع رہے گا اور اس طرح شاید پہلے تو ان قوموں کی معاشی آزادی کیلئے اور بعد میں سیاسی آزادی کے لئے زمین ہموار کر دے گا"۔

برطانیہ میں زمین روز افزوں کاشت سے الگ کرکے کھیلوں کے لئے اور دولت مند لوگوں کی تفریح طبع کے لئے استعمال کی جارہی ہے۔ اسکاٹ لینڈ کے متعلق جو دنیا کا سب سے زیادہ رئیسانہ شان کے شکار اور کھیل کا میدان ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ "وہ اپنے ماضی اور امریکی کروڑ پتی مسٹر کارنیگی کے سہارے زندہ ہے"۔ صرف گھوڑ دوڑ اور لومڑیوں کے شکار پر برطانیہ سالانہ ایک کروڑ 40 لاکھ پونڈ اسٹرلنگ (تقریباً تیرہ کروڑ روبل) خرچ کرتا ہے۔ انگلستان میں منافع خوروں کی تعداد لگ بھگ دس لاکھ ہے۔ کل آبادی کا پیداواری کاموں میں مصروف فیصدی حصہ گھٹتا جارہا ہے:

سال

برطانیہ کی آبادی (لاکھ)

بنیادی صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد (لاکھ)

مجموعی آبادی کا فیصدی

1851

1901

179

325

41

49

23فیصدی

15فیصدی

برطانوی مزدور طبقے کے سلسلے میں "بیسویں صدی کے شروع میں برطانوی سامراج" کا بورژوا محقق اس بات پر مجبور ہے کہ مزدوروں کے "اونچے حلقے" اور "اصلی پرولتاریہ کے نچلے حلقے" میں باقاعدہ امتیاز کرے۔ امداد باہمی کی انجمنوں (co_operatives) ٹریڈ یونینوں، کھیل کود کے کلبوں اور متعدد مذہبی فرقوں کے ممبروں کی اکثریت اسی اونچے حلقے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور نظام انتخاب کو بھی جو برطانیہ میں "اب بھی اتنا کافی محدود ہے کہ اس میں اصلی پرولتاریہ کے نچلے حلقے کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے" اسی اونچے حلقے کی سطح کے مطابق ڈھالا گیا ہے! برطانوی مزدور طبقے کی حالت کا حسین نقشہ کھینچنے کے لئے عام طور پر صرف اسی اونچے حلقے کا ذکر کیا جاتا ہے جو پرولتاریہ کی اقلیت ہے۔مثال کے طور پر "بے روزگاری کا مسئلہ زیادہ تر لندن کا اور پرولتاریہ کے اس نچلے حلقے کا مسئلہ ہے جس کو سیاست داں بہت کم اہمیت دیتے ہیں..."

(Schulze_Gaeverntiz ,Britischer Imperialismus,S .301.)

اس کو کہنا یہ چاہیے تھا: جس کو بورژوا سیاست داں اور "سوشلسٹ" موقع پرست بہت کم اہمیت دیتے ہیں۔

سامراج کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے، اور اس کا تعلق اسی حقیقت سے ہے جس کا ہم بیان کر رہے ہیں، کہ سامراجی ملکوں سے ترک وطنی میں تو کوئی کمی ہوئی

ہے اوران سامراجی ملکوں میں زیادہ پسماندہ ملکوں سے جہاں مزدوری کی شرح بہت کم ہے، تبدیل وطن میں اضافہ ہوا ہے۔ جیسا کہ ہوبسن نے بتایا ہے، برطانیہ سے ترک وطنی میں 1884 سے برابر کمی ہو رہی ہے: 1884 میں ترک وطن کرنے والوں کی تعداد 2 لاکھ 42 ہزار تھی اور 1900 میں ایک لاکھ 29 ہزار۔ جرمنی سے 1881 اور 1890 کے درمیانی زمانے میں سب سے زیادہ ترک وطنی ہوئی اور اس زمانے میں ترک وطنی کرنے والوں کی مجموعی تعداد 14 لاکھ 53 ہزار تھی جو اگلے بیس برس کے عرصے میں گھٹ کر 5 لاکھ 44 ہزار اور 3 لاکھ 41 ہزار رہ گئی۔ دوسری طرف آسٹریا، اٹلی، روس اور دوسرے ملکوں سے ترک وطن کر کے جرمنی آنے والے مزدوروں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ 1907 کی مردم شماری کے مطابق جرمنی میں 1342294 بدیسی تھے جن میں سے 440800 صنعتی مزدور تھے اور 257329 کھیت مزدور (Statistik desDeutschen Reichs,Bd .211.)۔ فرانس میں کانوں میں کام کرنے والے مزدور "زیادہ تر "بدیسی_پولستانی، اطالوی اور ہسپانوی ہیں۔

(Henger ,Die Kapitalsanlage der Franzosen,Stuttgart, 1913.)

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مشرقی اور جنوبی یورپ سے آ کر بسنے والے لوگ ایسے کام کرتے ہیں جن میں سب سے کم مزدوری ملتی ہے اور دوسری طرف، اوورسیروں اور زیادہ اجرت پانے والے مزدوروں کی اکثریت امریکی ہے (Hourwich,Immigration and Labour,New york,1913.)۔ سامراج میں مزدوروں میں بھی مراعات یافتہ حلقوں کو جنم

دینے کا اور انہیں پرولتاری عوام الناس سے الگ تھلگ کر دینے کا رجحان دیکھنے میں آتا ہے۔

یہ بتانا ضروری ہے کہ سامراج کا مزدوروں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کا، ان کے درمیان موقع پرستی کو ہوا دینے کا اور مزدور تحریک میں عارضی زوال پزیری پیدا کرنے کا رجحان برطانیہ میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز سے بہت پہلے ہی ظاہر ہونے لگا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ برطانیہ میں تو انیسویں صدی کے وسط ہی سے سامراج کی دو بڑی امتیازی خصوصیات نظر آنے لگی تھیں یعنی بڑے پیانے پر نوآبادیاتی مقبوضات اور عالمی منڈی میں اس کا ایک اجارہ دارانہ مقام۔ مزدور تحریک میں موقع پرستی کے وجود اور برطانوی سرمایہ داری کی سامراجی خصوصیات میں جو تعلق اور رابطہ ہے، مارکس اور اینگلس نے بیسیوں برس بڑی باقاعدگی سے اس کا مطالعہ کیا اور اس پر تحقیق کی۔ مثال کے طور پر 7 اکتوبر 1858 کو اینگلس نے مارکس کو لکھا "انگریز پرولتاریہ عملی طور پر روزافزوں بورژوا بنتا جا رہا ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ بورژوا قوم اس فکر میں ہے کہ آخر کار بورژوا طبقے کے علاوہ اس کے پہلو بہ پہلو ایک بورژوا اشرافیہ اور ایک بورژوا پرولتاریہ بھی موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی قوم کے لئے جو پوری دنیا کا استحصال کرتی ہے ایک حد تک یہ چیز معقول ہے "۔تقریباً چوتھائی صدی بعد اینگلس نے اپنے 11 اگست 1881 کے لکھے ہوئے ایک خط میں " بدترین برطانوی ٹریڈ یونینوں " کا ذکر کیا ہے "جو بورژوا طبقے کے ہاتھوں بکے ہوئے یا کم از کم ان کے نمک خوار لوگوں کو اپنی رہبری کرنے دیتی ہیں"۔کاؤتسکی کے نام 12 ستمبر 1882 کے خط میں اینگلس نے لکھا" آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ نوآبادیاتی

پالیسی کے بارے میں انگریز مزدوروں کا کیا خیال ہے؟ بالکل وہی جوان کا عام طور پر سیاست کے بارے میں ہے۔ یہاں کوئی مزدور پارٹی نہیں ہے، یہاں تو صرف قدامت پرست اور لبرل ریڈیکل ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ انگلستان کی نو آبادیات اور عالمی منڈی کی اجارے داری سے انگریز مزدور بھی ہنسی خوشی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(Briefwechselvon Marx und Engels, Bd . 11,S290;1v,433.)

("انگلستان میں مزدور طبقے کی حالت" کے دوسرے 1892 والے ایڈیشن کے پیش لفظ میں اینگلس نے پھر ان ہی خیالات کا اظہار کیا ہے)۔

اس سے اسباب اور نتائج صاف صاف دکھائی دیتے ہیں۔ اسباب تو یہ ہیں:

(1) اس ملک کے ہاتھوں پوری دنیا کا استحصال۔

(2) عالمی منڈی میں اس کا اجارہ دارانہ مقام اور حیثیت۔

(3) اس کی نوآبادیاتی اجارہ داری۔

اور نتائج یہ ہیں:

(1) برطانوی پرولتاریہ کا ایک حصہ بورژوا جیسا بن جاتا ہے۔

(2) برطانوی پرولتاریہ کا ایک حصہ بورژوا طبقے کے ہاتھوں بکے ہوئے یا کم ازکم ان کے نمک خوار لوگوں کو اپنی رہبری کرنے دیتا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز کے سامراج نے مٹھی بھر ریاستوں کے درمیان دنیا کے بٹوارے کو مکمل کر دیا، ان ریاستوں میں سے ہر ایک "پوری دنیا" کے ایک نہ ایک حصے کا استحصال کرتی ہے (یعنی وہاں سے بے حد اونچے منافعے وصول کرتی ہے) جو اس حصے سے کچھ ہی چھوٹا

ہی ہو جس کا انگلستان 1858 میں استحصال کرتا تھا۔ ٹرسٹوں، کارٹیلوں مالیاتی سرمائے اور قرض دینے والے اور قرض دار کے تعلقات کے طفیل ان میں سے ہر ایک کے پاس کسی نہ کسی حد تک نوآبادیاتی اجارہ داری بھی ہے (ہم نے دیکھا ہے کہ 7 کروڑ 50 لاکھ مربع کلومیٹر میں سے، جو پوری نوآبادیاتی دنیا کا رقبہ ہے، 6 کروڑ 50 لاکھ مربع کلومیٹر، یعنی 86 فیصدی طاقتوں کے قبضے میں ہے اور ان میں سے بھی 6 کروڑ 10 لاکھ مربع کلومیٹر، یعنی 81 فیصدی، تین طاقتوں کے قبضے میں ہے)۔

موجودہ صورت حال کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت ایسے معاشی او رسیاسی حالات ہیں جو موقع پرستی اور مزدور تحریک کے عام اور بنیادی مفاد کے درمیان تضاد میں اضافہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے: یعنی سامراج ابتدائی شکل سے ترقی کر کے غالب نظام بن گیا ہے، سرمایہ دارانہ اجارے داریوں کو معیشت اور سیاست میں اولیں مقام حاصل ہے، دنیا کا بٹوارہ مکمل ہو چکا ہے اور دوسری طرف، برطانیہ کی غیر منقسم اجارے داری کی بجائے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ چند سامراجی طاقتیں اس اجارے داری میں حصہ حاصل کرنے کے حق کے واسطے جدوجہد کر رہی ہیں۔ اور یہ جدوجہد بیسویں صدی کی ابتداء کے پورے دور کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اب موقع پرستی بیسیوں برس تک کسی بھی ملک کی مزدور تحریک میں اس طرح کامیاب و کامران نہیں رہ سکتی جس طرح وہ انگلستان میں انیسویں صدی کے نصف آخر میں رہی۔ لیکن کئی ملکوں میں موقع پرستی پختہ ہو کر گل سڑ چکی ہے اور اب وہ معاشرتی جارحانہ قوم پرستی کی شکل میں بورژوا پالیسی کے ساتھ پوری طرح ضم ہو گئی ہے۔

روسی معاشرتی جارحانہ قوم پرستی جس کی کھلی اور واضح شکل کے نمائندے جرات پوتر یسوف، چھینکیلی، ماسلوف وغیرہ ہیں اور ڈھکی چھپی شکل کی نمائندگی چھے ایدزے، اسکوبیلف، اکسیلر وڈ اور مارتوف وغیرہ کرتے ہیں، موقع پرستی کی روسی قسم یعنی انسداد پرستی ہی سے نکلی ہے۔

باب:9

سامراج کی تنقید

اگر سامراج کی تنقید کو وسیع مفہوم میں لیا جائے تو اس سے ہماری مراد ہے سماج کے مختلف طبقوں کا سامراجی پالیسی کی طرف رویہ جس کا تعلق ان کے عام نظریات سے ہے۔

بے حد بڑا اور وسیع مالیاتی سرمایہ جو صرف چند ہاتھوں میں مرکوز ہے اور جس نے ایک طرف، تعلقات اور رابطوں کا ایک بے حد دور دور پھیلا ہوا اور باریک جال بن رکھا ہے، جس کے ذریعہ وہ صرف چھوٹے اور متوسط سرمایہ داروں اور چھوٹے مالکوں کو بھی اپنا تابع کر لیتا ہے اور دوسری طرف، دنیا کے بٹوارے اور دوسرے ملکوں پر تسلط کی خاطر سرمایہ کاروں کی دوسرے قومی ریاستی گروہوں کے خلاف روز افزوں شدید اور تیز جدوجہد چلاتا ہے۔ یہ عناصر صاحب ملکیت طبقوں کو سو فیصدی سامراج کا حامی بنا دیتے ہیں۔ سامراج کے امکانات کے بارے میں "عام" جوش و خروش، اس کی بے حد تند و تیز طرفداری اور اس کو بڑے حسین اور دلفریب رنگوں میں پیش کرنا ___ یہ ہیں وقت کی نشانیاں۔ سامراجی نظریات مزدور طبقے کی صفوں میں بھی گھس آتے ہیں۔ مزدور طبقے کو کوئی دیوار چین دوسرے طبقوں سے جدا نہیں کرتی ہے۔ جرمنی کی موجودہ نام نہاد "سوشل ڈیموکریٹک"

پارٹی کے لیڈروں کو بجا طور پر "معاشرتی سامراجی" کہا جاتا ہے، یعنی زبانی سوشلسٹ اور عمل میں سامراجی۔ لیکن 1902 ہی میں ہوبسن نے انگلستان میں "فیبئن سامراجیوں" کے وجود کا ذکر کر دیا تھا جو موقع پرست "فیبئن سوسائٹی" (23) سے تعلق رکھتے تھے۔

بورژوا عالم اور صحافی عام طور پر سامراج کی مدافعت کچھ ڈھکے چھپے انداز میں کرتے ہیں، وہ اس کے مکمل غلبے اور اس کی گہری جڑوں پر تو پردہ ڈال دیتے ہیں اور کچھ مخصوص او رثانوی تفصیلات کو پیش پیش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ "اصلاحات" کی انتہائی مضحکہ خیز اسکیمیں ___ مثلاً ٹرسٹوں اور بینکوں پر پولیس کی نگرانی وغیرہ ___ پیش کر کے بنیادی چیزوں کی طرف توجہ ہٹانے کی اپنی مقدور بھر کوشش کرتے ہیں۔ کم تعداد میں ایسے صاف گو اور انسانیت بیزار سامراجی سامنے آتے ہیں جن میں اتنی ہمت ہے کہ وہ اعتراف کر لیں کہ سامراج کی بنیادی خصوصیات میں اصلاحات کرنے کا خیال سراسر حماقت ہے۔

ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ جرمن سامراجی "عالمی معیشت" "محافظ خانہ" نامی رسالے میں یہ کوشش کرتے ہیں کہ نوآبادیوں کی اور خصوصاً ان نوآبادیوں کی قومی آزادی کی تحریکوں کا مطالعہ کریں جن پر جرمنی کا قبضہ نہیں ہے۔ وہ ہندوستان کی بے چینی، شورش اور احتجاج، نٹال (جنوبی افریقہ) کی تحریک، ڈچ انڈیز وغیرہ کی تحریکوں پر توجہ دیتے ہیں۔ 28 جون سے 30 جون 1910 تک ایشیا، افریقہ اور یورپ کی ان مختلف محکوم قوموں اور نسلوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس ہوئی جن پر غیر ملکی حکمرانی ہے۔ اس کانفرنس کی ایک انگریزی رپورٹ پر رائے زنی کرتے ہوئے ان جرمنوں میں سے ایک نے کانفرنس میں کی ہوئی تقریروں پر

مندرجہ ذیل رائے دی:

''ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہمیں سامراج سے لڑنا چاہیے، ہم سے کہا جاتا ہے کہ حکمراں ریاستوں کو محکوم قوموں کا حق خوداختیاری تسلیم کرنا چاہیے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ عظیم طاقتوں اور کمزور قوموں کے درمیان ہونے والے معاہدوں کی پابندی اور تعمیل کی دیکھ بھال ایک بین الاقوامی عدالت کو کرنی چاہیے کو کرنی چاہیے۔ یہ کانفرنس ان نیک خواہشوں کے اظہار سے آگے نہیں بڑھی۔ ہمیں ان کے یہاں اس حقیقت کی سوجھ بوجھ کی جھلک تک نظر نہیں آتی کہ سامراج سرمایہ داری کی موجودہ شکل کے ساتھ اٹوٹ طور پر بندھا ہوا ہے اور اسی وجہ سے (!!) سامراج کے خلاف کھلی جنگ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا ___ سوائے اس صورت کے کہ یہ جدوجہد سامراج کی بعض خاص طور پر قابل نفرت زیادتیوں کی خلاف احتجاج تک محدود رہے''۔ چونکہ سامراج کی بنیادی اصلاح کرنا محض ایک فریب ہے، ایک ''نیک خواہش'' ہے اور کیونکہ مظلوم قوموں کے بورژوا نمائندے ''اور زیادہ'' آگے نہیں بڑھتے، لہٰذا ظالم قوم کا بورژوا نمائندہ ''اور زیادہ'' پیچھے چلا جاتا ہے دوسرے الفاظ میں وہ ''سائنسی'' ہونے کے بہانے سامراج کی غلامانہ خوشامد کرنے لگتا ہے، واہ کیا ''منطق'' ہے!

یہ سوال کہ آیا سامراج کی بنیادی اصلاح ممکن ہے اور یہ کہ آگے بڑھ کر سامراج کے جنم دیئے ہوئے تضادوں کو زیادہ شدید اور عمیق بنانے کی راہ پر چلنا چاہیے یا پیچھے ہٹ کر ان تضادوں کو دھیما کرنے کی راہ پر۔ یہ سامراج کی تنقید کے سلسلے میں بنیادی سوال ہیں۔ چونکہ سامراج کی مخصوص سیاسی خصوصیات اپنی ساری لائن کے لحاظ سے رجعت پرستی ہے اور مالیاتی اولیگارشی کے ظلم اور آزاد مقابلے کے

خاتمے کے سبب قومی ظلم وستم میں شدت ہے اسی لئے بیسویں صدی کے شروع میں تقریباً تمام سامراجی ملکوں میں سامراج کی ایک پیٹی بورژوا جمہوری مخالفت ابھری۔ کاؤتسکی اور کاؤتسکی ازم کے وسیع بین الاقوامی رجحان کی مارکس ازم سے غداری کا وجہ ٹھیک یہی حقیقت تھی کہ کاؤتسکی نے نہ صرف اس پیٹی بورژوا اصلاح پرست مخالفت کی تنقید کرنے کی تکلیف گوارہ نہیں کی جس کی معاشی بنیاد رجعت پرست ہے، نہ صرف یہ کہ وہ اس مخالفت کا مقابلہ نہیں کرسکا بلکہ عمل میں وہ اس کے ساتھ بالکل گھل مل گیا۔

1898 میں ہسپانیہ کے خلاف جو سامراجی جنگ ہوئی، اس نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں " سامراج دشمنوں " کی، بورژوا جمہوریت کے آخری نام لیواؤں کی مخالفت کو ابھار دیا۔ انہوں نے اس کو " مجرمانہ " جنگ کا نام دیا، بدیسی علاقوں کے بزور الحاق کو آئین کی خلاف ورزی سمجھا، انہوں نے اعلان کردیا کہ فلپائن کے دیسی باشندوں کے لیڈر اگوینالڈو کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا ہے (امریکیوں نے اس کے ملک کو خودمختاری دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن بعد میں انہوں نے وہاں اپنی فوجیں اتار دیں اور ملک بزور الحاق کرلیا) وہ ایک " جارحانہ قوم پرستوں کا فریب " ہے۔ ان لوگوں نے لنکن (24) کے الفاظ دہرائے:

" جب سفید نسل کا آدمی خود اپنے اوپر حکومت کرتا ہے تو وہ حکومت خود اختیاری ہے لیکن جب وہ اپنے اوپر حکومت کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں پر بھی حکومت کرتا ہے تو پھر اس کی حکومت کو خود اختیار نہیں کہا جاسکتا، وہ استبدادیت ہوجاتی ہے۔

(Patouillet, L, Imperiaisme Americain, Dijion,1904, p. 272.)

لیکن جب تک یہ ساری تنقید سامراج اور ٹرسٹوں کے درمیان اور نتیجتاً سامراج اور سرمایہ داری کی بنیادوں کے درمیان اٹوٹ بندھنوں کے وجود کے ماننے سے کتراتی رہی اور جب تک وہ بڑے پیانے کی سرمایہ دای اوراس کے ارتقاء کی جنم دی ہوئی قوتوں کے ساتھ اتحاد سے گھبراتی رہی اس وقت تک وہ محض ایک "نیک خواہش" رہی۔

ہوبسن نے بھی سامراج کی تنقید میں یہی بنیادی رویہ اختیار کیا ہے۔ ہوبسن "سامراج کے ناگزیر ہونے" کی دلیل کے خلاف احتجاج کرنے اور لوگوں کی "صرف کرنے کی صلاحیت بڑھانے" کی (سرمایہ داری کے تحت) ضرورت پر اصرار کرنے میں کاؤتسکی پر سبقت لے گیا۔ سامراج کی، بینکوں اور مالیاتی اولیگارشی کی قدرت مطلقی وغیرہ کی تنقید میں ان مصنفوں نے جن کے اقوال ہم نے اکثر نقل کئے ہیں، پیٹی بورژوا نقطہ نظر اختیار کیا ہے، مثلاً آگاد، لانسبرگ، ایشو یگے اور فرانسیسی مصنفوں میں وکٹر بیرار نے جو 1900 میں شائع ہونے والی ایک سطحی سی کتاب "انگلستان اور سامراج" کا مصنف ہے۔ یہ تمام مصنف جنہیں مارکسسٹ ہونے کا دعویٰ نہیں ہے، سامراج کا موازنہ آزاد مقابلے اور جمہوریت سے کرتے ہیں، بغداد ریلوے اسکیم کی مذمت یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ یہ تصادموں اور جنگ کو جنم دے گی اور امن وغیرہ کے متعلق "نیک خواہشات" کا ظہار کرتے ہیں۔ اس کا نیمارک پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو بین الاقوامی کاغذات زر کے اعداد و شمار کا ماہر ہے۔ اس نے "بین الاقوامی" کاغذات زر سلسلے میں 1912 میں اربوں فرانک کا تخمینہ لگایا اوراس کے بعد چلا پڑا" کیا یہ یقین کرنا ممکن ہے کہ امن میں کوئی خلل پڑ سکتا ہے؟...ان بے شمار اعداد کے ہوتے ہوئے کوئی جنگ چھیڑنے کی ہمت کرسکتا

ہے؟

Institut International de (Bulletin de l,"
۔Statistique,T.x1x,livr,11,p 225)

بورژوا ماہرین معاشیات کی یہ سادہ لوحی کچھ تعجب خیز نہیں ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے آپ کو اس قدر سادہ لوح ظاہر کرنا اور سامراج کے تحت امن کے بارے میں "سنجیدگی سے" بات کرنا ان لوگوں کے مفاد میں ہے۔لیکن کاؤتسکی کا مارکس ازم کہاں اڑن چھو گیا جب 1914، 1915 اور 1916 میں اس نے بھی یہی بورژوا اصلاح پرست نقطہ نظر اختیار کیا اور یہ یقین دلایا کہ امن سوال پر "سب لوگ" (سامراجی، نام کے سوشلسٹ اور معاشرتی امن پرست) "متفق ہیں"؟ یہاں ہمیں سامراج کے تجزیے اور اس کے تضادوں کی گہرائیوں کی پردہ داری کی بجائے صرف ان تضادوں کو نظر انداز کرنے کی اصلاح پرست "نیک خواہش" کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔

کاؤتسکی نے سامراج کی جو معاشی تنقید کی ہے، اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ وہ 1872 اور 1912 میں برطانیہ اور مصر کے درمیان درآمد اور برآمد کے اعداد و شمار لیتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ برطانیہ کی مجموعی بدیسی تجارت کے مقابلے میں یہ درآمد اور برآمد زیادہ سست رفتاری سے بڑھ رہی ہے۔ اس بات سے کاؤتسکی یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ "ہمارے پاس یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ مصر پر فوجی قبضے کے بغیر، محض سادہ معاشی عناصر کے زیر اثر اس کے ساتھ برطانیہ کی تجارت میں کم اضافہ ہوتا"۔ "سرمائے کی توسیع کی ضرورت...کو سامراج کے پر تشدد طریقوں سے نہیں بلکہ پر امن جمہوریت کے ذریعہ سب سے زیادہ پورا کیا جا سکتا ہے

(Kautasky, Nationalstaat, Imperialistischer ۔" Staat und Staatenbund, Nurnberg, 1915, S.72 und70)

کاؤتسکی کی یہ دلیل جسے اس کے روسی علمبردار (اور معاشرتی جارحانہ قوم پرستوں کے روسی حمایتی) مسٹر اسپکٹیٹر نے سینکڑوں مختلف سروں میں دہرایا ہے، سامراج کی کاؤتسکی مارکہ تنقید کی بنیاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس کا زیادہ تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہم ہیلفرڈنگ کی کتاب کے ایک اقتباس سے شروع کریں گے کیونکہ اس کے نتائج کے متعلق کاؤتسکی نے اکثر اور خاص طور پر اپریل 1915 میں یہ اعلان کیا ہے کہ "سارے سوشلسٹ نظریہ دانوں نے اتفاق رائے سے انہیں منظور کرلیا ہے"۔

ہیلفرڈنگ لکھتا ہے "پرولتاریہ کا کام یہ نہیں ہیکہ وہ زیادہ ترقی پسند سرمایہ دارانہ پالیسی کا موازنہ آزاد تجارت اور ریاست سے بغض و دشمنی والی عہد پارینہ کی پالیسی سے کرے۔ مالیاتی سرمائے کی معاشی پالیسی یعنی سامراج کا جواب پرولتاریہ کی طرف سے آزاد تجارت نہیں بلکہ سوشلزم ہے۔ اب آزاد مقابلے کی بحالی کے مقصد کی بجائے_ جو ایک رجعت پرست مقصد بن چکا ہے _ سرمایہ داری کے خاتمے کے ذریعہ مقابلے کا یکسر خاتمہ ہی پرولتاری پالیسی کی منزل مقصود ہوسکتا ہے"۔(مالیاتی سرمایہ، صفحہ 567)

کاؤتسکی نے مالیاتی سرمائے کے دور میں ایک "رجعت پرست مقصد"، "پر امن جمہوریت" اور "سادہ معاشی عناصر کے اثر" وغیرہ کی علم برداری کر کے مارکس ازم سے ناطہ توڑ لیا کیونکہ خارجی لحاظ سے یہ مقصد ہمیں پیچھے، اجارہ دارانہ سرمایہ

داری سے غیر اجارہ دارانہ سارمایہ داری کی طرف گھسیٹ لیتا ہے اور یہ ایک اصلاح پرست فریب سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

مصر کے (اور کسی بھی دوسری نوآبادی یا نیم آبادی کے) ساتھ تجارت میں فوجی قبضے کے بغیر، سامراج اور مالیاتی سرمائے کے بغیر زیادہ "اضافہ ہوتا" ۔اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عام طور پر اجارے داریوں نے یا مالیاتی سرمائے کے جوئے یا "بندھنوں" نے (اور اس کا مطلب بھی اجارہ داری ہی ہوا) یا بعض ملکوں کی نوآبادیوں پر اجارہ دارانہ قبضے نے آزاد مقابلے کو محدود نہ کر دیا ہوتا تو سرمایہ داری کی نشو ونما زیادہ تیزی سے ہوئی ہوتی؟

کاؤتسکی کی دلیل کے اور کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے اور یہ "معنی" بے سروپا بکواس ہیں۔آیئے ہم فرض کرلیں کہ کسی قسم کی اجارے داری کے بغیر آزاد مقابلہ سرمایہ داری اور تجارت کی نشونما کو زیادہ تیز کر دیتا۔لیکن جتنی تیزی سے سرمایہ داری اور تجارت کو ترقی ہوتی ہے پیداوار اور سرمائے کا ارتکاز اسی قدر تیزی سے بڑھتا جاتا ہے اور یہ چیز اجارے داری کو جنم دیتی ہے۔اجارہ داریاں تو عالم وجود میں آچکی ہیں۔اور ٹھیک آزاد مقابلے کے بطن سے اگر اب اجارے داریوں نے ترقی کو سست کر دیا ہے تو یہ بات آزاد مقابلے کی حمایت میں کوئی دلیل نہیں ہے جو اب اجارے داریوں کو وجود میں لانے کے بعد خود نا ممکن ہو گیا ہے۔

کاؤتسکی کی دلیل کو کسی بھی پہلو سے دیکھیے اس میں رجعت پرستی اور بورژوا اصلاح پرستی کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔اگر ہم اس دلیل کی تصحیح کر کے اسپکٹیڑ کی طرح یہ کہیں کہ برطانوی نوآبادیوں کی تجارت دوسرے ملکوں کے ساتھ جتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے،اس کے مقابلے، میں ان کی تجارت انگلستان کے ساتھ سست

رفتاری سے ترقی کر رہی ہے، تب بھی کاؤتسکی کے لئے کوئی راہ افرار نہیں کیونکہ برطانیہ کو جو چیز شکست دے رہی ہے، وہ بھی تو اجارہ داری ہی ہے، وہ بھی تو سامراج ہی ہے۔بس اتنی بات ہے کہ یہ دوسرے **ملک** (امریکہ، جرمنی) کی اجارہ داری اور سامراج ہے۔سب جانتے ہیں کہ کارٹیلوں نے حفاظتی محصولوں کی ایک نئی اور مخصوص شکل کو جنم دیا ہے یعنی ان کے ذریعہ ان اشیا کی حفاظت کی جاتی ہے جو برآمد کے لئے موزوں ہیں (اینگلس نے "سرمایہ" کی جلد 3 میں اس کا ذکر کیا ہے)۔ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ کارٹیل اور مالیاتی سرمائے کا ایک نظام ہے یعنی "قیمتوں کی شرح گھٹا کر اشیا کی برآمد کرنا" یا جیسا کہ انگریز کہتے ہیں:

exporting goods at cut-rate prices or dumping

اپنے **ملک** میں تو کارٹیل اونچی اجارہ دارانہ قیمتوں پر اشیا فروخت کرتا ہے لیکن بدلیس میں اس سے بہت نیچی قیمتوں پر بیچتا ہے تا کہ اپنے حریفوں کی جڑ کاٹنے اور اپنی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ توسیع دے وغیرہ وغیرہ۔اگر برطانوی نوآبادیوں کے ساتھ جرمنی کی تجارت اس سے زیادہ تیزی سے ترقی کر رہی ہے جتنی تیزی سے خود برطانیہ کی تجارت ان کے ساتھ بڑھ رہی ہے تو اس سے فقط یہی ثابت ہوتا ہے کہ جرمن سامراج برطانوی سامراج سے زیادہ نوعمر، زیادہ مضبوط اور اس سے بہتر طور پر منظم ہے، اس سے برتر ہے۔لیکن اس سے آزاد مقابلے کی "برتری" کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ لڑائی کوئی آزاد مقابلے کے اور حفاظتی محصولات اور نوآبادیاتی ماتحتی کے درمیان نہیں ہے۔ یہ دو حریف سامراجوں، دو اجارے داریوں، مالیاتی سرمائے کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی ہے۔جرمن سامراج کی

برطانوی سامراج پر برتری نوآبادیاتی سرحدوں یا حفاظتی محصولات کی دیوار سے زیادہ مضبوط چیز ہے۔ اس کو تجارت اور "پرامن جمہوریت " کی حمایت میں "دلیل" کے طور پر استعمال کرنا بڑی عامیانہ بات ہے۔اس کا مطلب سامراج کی بنیادی خصوصیات کو بھلا دینا ہے، یہ مارکس ازم کی جگہ پیٹی بورژوا اصلاح پرستی کو دے دینے کے مترادف ہے۔

یہ دل چسپ بات ہے کہ بورژوا ماہر معاشیات لانسبرگ تک باوجود اس کے کہ اس کی سامراج کی تنقید ہی جیسی پیٹی بورژوا ہے، تجارت کے اعداد و شمار کے سائنسی مطالعے سے نسبتاً زیادہ قریب ہے۔ اس نے فقط اٹکل پچو طریقے سے کسی ملک کو چن کر اس کا موازنہ یا صرف ایک نوآبادی کا موازنہ باقی سارے ملکوں سے نہیں کیا۔ اس نے ایک سامراجی ملک کی اس تمام برآمدی تجارت کا مطالعہ کیا جو وہ (1) ان ملکوں کے ساتھ کرتا ہے جو مالی لحاظ سے اس کے دست نگر ہیں اور اس سے روپیہ قرض لیتے ہیں اور پھر (2) ان ملکوں کے ساتھ کرتا ہے جو مالی لحاظ سے آزاد ہیں اس مطالعے کا نتیجہ مندرجہ ذیل ہے:

جرمنی کی برامد

لاکھ مارک

ان ملکوں میں جو مالی لحاظ سے جرمنی کے دست نگر ہیں

سال

1889

1908

فیصدی اضافہ

رومانیہ

482

708

47

پرتگال

190

328

73

ارجنٹائن

607

1470

143

برازیل

487

845

73

چلی

283

524

85

ترکی

299

640

114

کل میزان

2348

4515

92

ان ملکوں میں جو مالی لحاظ سے جرمنی کے دست نگر نہیں ہیں

سال

1889

1908

فیصدی اضافہ

برطانیہ عظمیٰ

6518

9947

53

فرانس

2102

4379

108

بلجیم

1372

3228

135

سوئٹزرلینڈ

1774

4011

127

آسٹریلیا

212

645

2.5

ڈچ ایسٹ انڈیز

88

407

363

کل میزان

12066

22644

لانسبرگ نے اس سے نتیجے اخذ نہیں کئے۔اسی لئے وہ یہ نہیں دیکھ سکا (اور یہ خاص بات تعجب خیز بات ہے) کہ اگر یہ اعداد کوئی بات ثابت کرتے ہیں تو یہ کہ وہ غلطی پر ہے کیونکہ مالی اعتبار سے آزاد ملکوں کے مقابلے میں مالی لحاظ سے جرمنی کے دست نگر ملکوں کو جرمنی کی برآمد زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے،خواہ تھوڑی سہی (ہم نے لفظ "اگر" پر زور دیا ہے کیونکہ لانسبرگ کے اعداد قطعی مکمل نہیں ہیں)۔

برآمد اور قرضوں کے تعلق کی چھان بین کرتے ہوئے لانسبرگ لکھتا ہے۔

"1890-1891 میں ان جرمن بینکوں کے توسط سے رومانیہ کو قرض جاری کیا گیا جو گذشتہ سالوں میں اس قرض کی پیشگی رقم دے چکے تھے۔یہ قرض زیادہ تر جرمنی میں ریلوں کا سامان خرید نے پر صرف کیا گیا۔1891 میں رومانیہ کے لئے جرمنی کی برآمد پانچ کروڑ پچاس لاکھ مارک تھی۔اگلے سال وہ گھٹ کر 3 کروڑ 94 لاکھ مارک ہوگئی اور اتار چڑھاؤ کے بعد 1900 تک گھٹ کر 3 کروڑ 54 لاکھ مارک رہ گئی۔صرف چند برس پہلے دو نئے قرضوں کی بدولت یہ برآمد 1891 کی سطح پر پہنچ سکی ہے۔

"1888-1889 کے قرضوں کے بعد پرتگال مین جرمن برآمد بڑھ کو 2 کروڑ 11 لاکھ مارک (1890 میں) ہوگئی۔پھر اگلے دو برس میں وہ گھٹ کر ایک کروڑ 62 لاکھ اور 74 لاکھ مارک رہ گئی اور صرف 1903 میں اپنی پرانی سطح تک پہنچ سکی۔

"ارجنٹائن کے ساتھ جرمنی کی تجارت کے اعداد وشمار اور بھی زیادہ نمایاں ہیں۔1888 اور 1890 میں جاری کئے ہوئے قرضوں کے بعد 1889 میں

ارجنٹائن کے ساتھ جرمنی کی برآمد 6 کروڑ 7لاکھ مارک ہوگئی۔دو سال بعد وہ صرف ایک کروڑ 86لاکھ مارک رہ گئی یعنی پہلے سے ایک تہائی سے کم۔اور کہیں 1901 ہی تک وہ1889 کی سطح سے اوپر بڑھ سکی اور اس وقت بھی فقط ان نئے قرضوں کی بدولت جو ریاست اور میونسپلٹیوں نے جاری کئے تھے،جن میں سے بجلی گھروں کی تعمیر کے لئے پیشگی رقم بھی دی گئی تھی اور اسی طرح قرضہ دینے کی دوسری شکلیں بھی اختیار کی گئی تھیں۔

" 1889 کے قرضے کی بدولت چلی میں جرمنی کی برآمد (1896 میں)4 کروڑ 52لاکھ مارک پہنچ گئی اور ایک سال بعد گھٹ کر 2 کروڑ 25لاکھ مارک رہ گئی۔1906 میں جرمن بینکوں نے چلی کے لئے ایک نیا قرضہ جاری کیا جس کے بعد 1907 میں برآمد بڑھ کر 8 کروڑ 47لاکھ مارک پہنچ گئی لیکن 1908 میں پھر گھٹ کر 5 کروڑ 64لاکھ مارک رہ گئی۔ '' Die Bank,1909, 2, s. 819 et seq.

لانسبرگ ان حقائق سے یہ دلچسپ پیٹی بورژوا اخلاقی نتیجہ نکالتا ہے کہ برآمد کا تعلق قرضوں سے ہو تو وہ کس قدر بے قاعدہ اور ناپائیدار ہو جاتی ہے،"فطری طور پر "اور اتفاق و ہم آہنگی کے ساتھ "اپنے **ملک** کی صنعتوں کو فروغ دینے کے بجائے بدیس میں سرمایہ لگانا کس قدر بری بات ہے،کروپ کو بدیسی قرضے جاری کرنے میں جو لاکھوں کروڑوں مارک بخش کے دینے ہوتے ہیں،وہ کس قدر "مہنگے "پڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔لیکن حقائق بالکل صاف طور پر بتاتے ہیں کہ برآمد میں اضافے کا تعلق مالیاتی سرمائے کی ٹھیک ان ہی پر فریب چالوں سے ہے جسے بورژوا اخلاقیات کی کوئی فکر نہیں ہے،اسے تو بس یہ فکر ہے کہ کسی نہ کسی طرح ڈبل ہاتھ

مارے۔وہ پہلے تو قرضے سے ہونے والے منافعوں کو ہتھیاتا ہے اور پھر اسی قرضے سے حاصل ہونے والے منافعوں کا بھی ہڑپ کرتا ہے جسے قرض لینے والا گروپ سے چیزیں خریدنے یا فولاد کے سینڈیکیٹ سے ریلوے سامان وغیرہ خریدنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

ہم ایک دفعہ پھر دہراتے ہیں کہ لانسبرگ کے اعداد و شمار کو ہم ہرگز مکمل نہیں سمجھتے لیکن ہمیں اس لئے انھیں نقل کرنا پڑا کہ وہ کاؤتسکی اور اسپکٹیٹر کے اعداد و شمار سے زیادہ سائنسی ہیں اور لانسبرگ اس سوال کا مطالعہ کرنے کا صحیح رستہ دکھاتا ہے۔ برآمد وغیرہ کے سلسلے میں مالیاتی سرمائے کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ہم برآمد کے تعلق کو خاص طور پر اور صرف سرمایہ کاروں کی چالوں کے ساتھ اور خاص طور پر اور صرف اور کارٹیلوں کے اشیا فروخت کرنے کے ساتھ چھانٹ سکیں۔ محض نوآبادیوں کا غیر نوآبادیوں سے، سامراج کا دوسرے سامراج سے، ایک نیم نوآبادی یا نوآبادی (مصر) کا باقی تمام ملکوں سے موازنہ کرنا اس سوال کے اصل جوہر سے گریز کرنا اور اسے دھندلا کرنا ہے۔

سامراج کی جو نظریاتی تنقید کاؤتسکی نے کی ہے، اس میں اور مارکس ازم میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے اور وہ موقع پرستوں اور معاشرتی جارحانہ قوم پرستوں سے صلح و آتشی اور اتحاد کے پروپیگنڈے کے لئے محض تمہید کا کام کرتی ہے چونکہ وہ سامراج کے بہت ہی عمیق اور بنیادی تضادوں کو دھندلاتی اور ان سے پہلو بچاتی ہے، مثلاً اجارہ داری اور آزاد مقابلے کے درمیان تضاد جو اول الذکر کے پہلو بہ پہلو موجود رہتا ہے، مالیاتی سرمائے کے دیو پیکر "کاروباروں" (operations) (اور دیو پیکر منافعوں) کے اور کھلی منڈی میں ہونے والی"

ایماندارانہ "تجارت کے درمیان تضاد، کارٹیلوں سے الگ ہے وغیرہ وغیرہ۔

"بالائے سامراج" کا رسوائے زمانہ نظریہ جو کاؤتسکی کی ایجاد ہے، اسی قدر رجعت پرست ہے۔ اس موضوع پر کاؤتسکی کی ان دلیلوں کا جو اس نے 1915 میں پیش کی تھیں، ہوبسن کی 1902 کی دلیلوں سے مقابلہ کیجئے:

کاؤتسکی لکھتا ہے "...کیا موجودہ سامراجی پالیسی کی جگہ ایک نئی بالائے سامراجی پالیسی نہیں لے سکتی جو قومی مالیاتی سرمایوں کی باہمی رقابتوں کی بجائے بین الاقوامی طور پر متحد مالیاتی سرمائے کی طرف سے دنیا کے مشترکہ استحصال کو رواج دے گی؟ سرمایہ داری کی اس نئی شکل کا کم سے کم تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا یہ قابل حصول ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ابھی ہمارے پاس کافی بنیاد نہیں ہے"۔

(Die Neue Ziet ,April30,1915,S.144.)

ہوبسن لکھتا ہے "عیسائیت کو جو چند عظیم وفاقی سلطنتوں میں قائم ہے، جن میں سے ہر ایک کے پاس غیر مہذب نوآبادیوں اور محکوم ملکوں کی ایک قطار موجود ہے، بہت سے لوگ موجودہ رجحانات کا بجا، جائز اور ایسا ارتقاء سمجھتے ہیں جو ایک مستحکم بین سامراجی بنیاد پر قائم مستقل امن کی سب سے زیادہ امید دلا سکتا ہے"۔

کاؤتسکی نے اسی چیز کو بالائے سامراج (الٹرا امپیریلزم) یا ماورائے سامراج (سوپرا امپیریلزم) کا نام دے دیا ہے جسے تیرہ برس پہلے ہوبسن نے انٹر سامراج یا بین سامراج کہا تھا۔ ایک نیا اور چلتا ہوا لفظ ایجاد کرنے، ایک لاطینی لفظ کی جگہ دوسرا لاطینی لفظ استعمال کرنے کے علاوہ کاؤتسکی نے "سائنسی" فکر کے میدان جو ترقی کی ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے اسی چیز کو مارکس ازم کے نام سے پیش

کر دیا ہے جسے ہوبسن نے اصل میں انگریز پادریوں کی ریاکاری بتایا ہے۔ انگریزوں اور بائیروں کی جنگ کے بعد اس معزز و محترم پادری شاہی کے لئے یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ وہ انگلستان کے متوسط طبقے اور مزدوروں کے آنسو پونچھنے کی کوشش کرے جن کے بہت سے عزیز، رشتے دار جنوبی افریقہ کے میدان جنگ میں مارے گئے تھے اور جنہیں اس لئے اور زیادہ بھاری ٹیکس ادا کرنے پڑ رہے تھے کہ برطانوی سرمایہ کار اور بھی زیادہ اونچے منافعے کما سکیں۔ آنسو پونچھنے کے لئے اس نظریے سے بہتر چیز اور کیا ہوسکتی ہے کہ سامراج کچھ ایسا برا نہیں ہے اور یہ کہ سامراج اُلٹر (یا بالائے) سامراج کے قریب ہی قریب ہے جو مستقل امن کی ضمانت دے سکتا ہے؟ انگریز پادری یا شیریں زبان کاؤتسکی کے نیک ارادے خواہ کچھ بھی ہوں، بہرحال اگر کاؤتسکی کے "نظریے" کی کوئی خارجی یعنی حقیقی سماجی معنویت ہوسکتی ہے تو فقط یہ کہ وہ مستقبل کے تخیلی "بالائے سامراج" کے سبز باغ دکھا دکھا کر عوام الناس کی توجہ موجودہ زمانے کے تند و تیز تضادوں اور شدید اختلافات سے ہٹا دے اور اس طرح ان کے دل میں سرمایہ داری کے تحت ایک مستقل امن کے جھوٹے امکان کی آس جگا کر انتہائی رجعت پرست طریقوں سے ان کی تسلی تشفی کرتا رہے۔ عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنا_ بس یہ ہے لے دے کر کاؤتسکی "مارکسی" نظریے کی حقیقت۔

حقیقت یہ ہے کہ جانے پہچانے اور ناقابل تردید حقائق سے مقابلہ کرنا ہی اس بات کا قائل ہونے کے لئے کافی ہے کہ کاؤتسکی جرمن مزدوروں (اور سبھی ملکوں کے مزدوروں) کو جو سبز باغ دکھانے کی کوشش کرتا ہے، وہ جھوٹ اور فریب ہے۔ آیئے ہم ہندوستان، چین اور ہندچین کو لے لیں۔ سبھی جانتے ہیں کہ

یہ تین نو آبادیاں اور نیم نو آبادیاں جن کی آبادی 70_60 کروڑ ہے، کئی سامراجی ملکوں، یعنی برطانیہ، فرانس، جاپان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ وغیرہ کے مالیاتی سرمایوں کے استحصال کا شکار ہیں۔ آیئے ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ سامراجی ملک ان ایشیائی ریاستوں میں اپنے " حلقہ اثر " اپنے مفاد اور اپنی مقبوضات کی توسیع یا حفاظت کی غرض سے ایک دوسرے کے خلاف اتحاد کرتے ہیں۔ یہ اتحاد " بین سامراجی " یا " بالائے سامراجی " اتحاد ہوں گے۔ ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ ایشیاء کے ان حصوں کا " پر امن " بٹوارہ کرنے کے واسطے تمام سامراجی ممالک آپس میں اتحاد کریں گے تو اس صورت میں یہ اتحاد " بین الاقوامی طور پر متحد مالیاتی سرمایہ " کا اتحاد ہوگا۔ بیسویں صدی کی تاریخ میں اس قسم کے اتحادوں کی واقعی مثالیں موجود ہیں، بڑی طاقتوں کا چین کی طرف رویہ اسی کی ایک مثال ہے (25)۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرض کرتے ہوئے کہ سرمایہ داری نظام جوں کا توں برقرار رہے گا (اور کاؤتسکی کی ٹھیک یہی مفروضہ ہے) کیا یہ چیز " قابل تصور " ہے کہ ایسے اتحاد صرف عارضی نہیں ہوں گے اور وہ ہر ممکن قسم کے جھگڑے، تصادم، کشمکش کو ختم کردیں گے؟

اس سوال کو صاف طور پر پیش کرنا ہی کافی ہے، پھر اس کا جواب نفی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مفاد، نو آبادیات اور حلقہ اثر کے بٹوارے کے لئے سرمایہ داری کے تحت بٹواری کرنے والوں کی قوت یعنی ان کی عام معاشی، مالی اور فوجی قوت وغیرہ کے اندازے کے علاوہ اور تمام بنیادیں ناقابل تصور ہیں۔ اور ان بٹوارہ کرنے والوں کی قوت میں یکساں تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ سرمایہ داری کے تحت مختلف کاروباروں، ٹرسٹوں، صنعت کی شاخوں یا ملکوں کا ہموار ارتقاء ناممکن

ہے۔ نصف صدی قبل اس وقت کے انگلستان کے مقابلے میں جرمنی اپنی سرمایہ دار قوت کے لحاظ سے بہت حقیر اور غیر اہم ملک تھا اور روس کے مقابلے میں جاپان کی یہی حیثیت تھی۔ کیا یہ چیز "قابل تصور" ہے کہ دس یا بیس سال کی مدت میں سامراجی ملکوں کی نسبتی قوت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی؟ یہ چیز قطعی نا قابل تصور ہے۔

لہٰذا "بین سامراجی" یا "بالائے سامراجی" اتحاد خواہ کوئی شکل اختیار کریں۔ ایک سامراجی اتحاد کے خلاف دوسرے سامراجی اتحاد کی شکل اختیار کریں یا تمام سامراجی طاقتوں کے ایک عام اتحاد کی شکل اختیار کریں ــــ بہر حال اگر انہیں انگریز پادریوں یا جرمن "مارکسسٹ" کاؤتسکی کی تنگ نظر اور عامیانہ خیالی اڑانوں کی بجائے سرمایہ داری نظام کے حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو ناگزیر طور پر ان کی حیثیت دو جنگوں کے درمیان "عارضی صلح" سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ پر امن اتحاد جنگوں کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں اور دوسری طرف، وہ خود جنگ ہی کی پیداوار ہوتے ہیں۔ دونوں چیزیں ایک دوسرے پر اثر ڈالتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی بنیاد پر ــ یعنی عالمی سیاست اور عالمی معیشت میں سامراجی رابطوں اور رشتوں کی بنیاد پر ــ اس جدوجہد کی پر امن اور پر تشدد شکلیں باری باری ابھرتی رہتی ہیں۔ لیکن مزدوروں کی تالیف قلوب کرنے اور معاشرتی جارحانہ قوم پرستوں سے جو غداری کر کے بورژوازی سے مل گئے ہیں، ان کی صلح صفائی کرانے کی غرض سے دانش مند کاؤتسکی زنجیر کی ایک کڑی کو دوسری سے علیحدہ کر دیتا ہے، وہ چین میں "امن و امان قائم کرنے" کی خاطر (بوکسر بغاوت (26) فرو کرنے کا واقعہ یاد کیجئے) تمام طاقتوں کے موجودہ پر امن (اور بالائے سامراجی بلکہ بالائے بالا

سامراجی)اتحادکو کل کی اس پرتشدد مخالفت اور تصادم سے بالکل الگ کردیتا ہے جو پرسوں مثلاًترکی کے بٹوارے کے لئے ایک اور "پرامن" عام اتحاد کے لئے زمین ہموار کرے گی وغیرہ وغیرہ۔ سامراجی امن اور سامراجی جنگ کے دوروں کے درمیان جو جیتا جاگتا رابطہ ہے، اسے دکھانے کی بجائے کاؤتسکی مزدوروں کے بے جان نظری اور مجرد چیزیں پیش کرتا ہے تاکہ اس طرح اپنے بے جان لیڈروں سے ان کی مصالحت کرادے۔

ایک امریکی مصنف حل اپنی تصنیف "یورپ کے بین الاقوامی ارتقاء کی ڈپلومیسی کی تاریخ" کے دیباچے میں پچھلے کچھ عرصے کی ڈپلومیسی کی تاریخ کے مندرجہ ذیل تین ادوار کا ذکر کرتا ہے:

(1) انقلاب کا دور

(2) آئینی تحریک

(3) تجارتی سامراج کا موجودہ دور۔

(David Jayne Hill, A history of the Diplomacy in the International Development of Europe, vol 1. p. 10.)

ایک اور مصنف 1870 سے اب تک برطانیہ کی "عالمی پالیسی" کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کرتا ہے:

(1) پہلا ایشیائی دور (وسط ایشیاء میں روس کے ہندوستان کے جانب بڑھنے کے خلاف جدوجہد کا دور)

(2) افریقی دور (تقریباً 1885 سے 1902 تک) افریقہ کے بٹوارے

کے لئے فرانس کے خلاف جدوجہد کا دور (1898 کا "واقعہ فاشودہ" (27) جس کی وجہ سے فرانس کے ساتھ جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی)۔

(3) دوسرا ایشیائی دور (روس کے خلاف جاپان کے ساتھ معاہدہ)۔

(4) یورپی دور: جو خاص طور پر جرمن مخالف کا دور ہے۔(Schilder، متذکرہ کتاب، صفحہ 178)

"ہراول دستوں کی سیاسی جھڑپیں مالیات کے میدان میں ہوتی ہیں" یہ بات 1905 میں بینکر ریسر نے یہ دکھانے کے لئے لکھی تھی کہ فرانسیسی مالیاتی سرمایہ جو اٹلی میں مصروف عمل تھا، کس طرح ان ملکوں کے درمیان سیاسی اتحاد کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا اور کس طرح جرمنی اور برطانیہ میں ایران کی وجہ سے اور تمام یورپی سرمایوں میں چینی قرضوں کے باعث ٹکرا ابھرنے لگی تھی وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ ہے عام سامراجی ٹکروں کے ساتھ اٹوٹ بندھنوں میں بندھی ہوئی پرامن "بالائے سامراجی "اتحادوں کی جیتی جاگتی حقیقت۔

کاؤتسکی نے سامراج کے عمیق ترین تضادوں کو دھندلانے کی جو کوشش کی ہے، وہ لازمی طور پر سامراج کے چہرے پر ملمع کاری کا کام کرتی ہے، دراصل اس کی اس تنقید پر بھی اپنے نشانات چھوڑ دیتی ہے جو اس مصنف نے سامراج کی سیاسی خصوصیات پر کی ہے سامراج مالیاتی سرمائے اور اجارے داریوں کا دور ہے جو آزادی کی نہیں بلکہ ہر طرف غلبے کی سعی و جستجو کو رواج دیتی ہیں۔ ان رجحانات کا نتیجہ ہے ہر قسم کے سیاسی نظام کے تحت سو فیصدی رجعت پرستی اور اس میدان میں تضادوں میں شدت۔ قومی ظلم اور الحاق کی خواہش اور کوشش یعنی قومی خودمختاری پر دست درازی (کیونکہ الحاق قوموں کے حق خوداختیاری پر دست درازی کے علاوہ

اور کیا ہے)۔ یہ دونوں چیزیں خاص طور پر شدید ہو جاتی ہیں ۔ ہیلفر ڈنگ نے سامراج اور قومی ظلم و جبر کی شدت کے باہمی تعلق کی طرف جو اشارہ کیا ہے، وہ بجا ہے۔ وہ لکھتا ہے "نئے نئے دریافت ہونے والے ملکوں میں سرمائے کی درآمد تضادات کو شدید بنا دیتی ہے اور ان قوموں کے دل میں جن میں قومی شعور بیدار ہو رہا ہے، دخل اندازوں کے خلاف مزاحمت کا جذبہ ابھارتی اور بڑھاتی ہے ۔اور یہ مزاحمت آسانی سے بدیسی سرمائے کے خلاف خطرناک اقدام کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ پرانے سماجی رشتوں میں مکمل انقلاب آجاتا ہے۔" تاریخ سے محروم قوموں" کی قرنوں پرانی زرعی علیحدگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہ قومیں سرمایہ داری کے بھنور میں کھنچ آتی ہیں۔ سرمایہ داری خود ہی رفتہ رفتہ محکوم قوموں کو آزادی کے ذریعے اور وسیلے مہیا کر دیتی ہے۔ اور آخر الذکر اس منزل کی طرف گامزن ہو جاتی ہیں جو ایک زمانے میں یورپی قوموں کو بلند ترین معلوم ہوتی تھی یعنی معاشی اور تہذیبی آزادی کے حصول کے لئے متحدہ قومی ریاست کی تشکیل۔ خودمختاری کی یہ تحریک یورپی سرمائے کو اس کے سب سے بیش قیمت اور امید افزاء استحصال کے میدانوں میں خطرے سے دوچار کرتی ہے اور یورپی سرمایہ اپنا غلبہ فوجی قوت بڑھا کر ہی قائم رکھ سکتا ہے" (مالیاتی سرمایہ، صفحہ 487)۔

اس میں یہ اضافہ اور کرنا چاہیے کہ صرف نئے نئے دریافت ہونے والے ملکوں ہی میں نہیں بلکہ پرانے ملکوں میں بھی سامراج الحاق، روزافزوں قومی ظلم و جبر اور اسی لئے روز افزوں مزاحمت کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ سامراج کی سیاسی رجعت پرستی کو زیادہ شدید کرنے پر کاؤتسکی نے اعتراض کیا ہے لیکن وہ ایک ایسے سوال کو اندھیرے ہی میں چھوڑ دیتا ہے جو اس وقت خاص طور پر ضروری ہو گیا ہے

یعنی سامراج کے دور میں موقع پرستوں کے ساتھ اتحاد ناممکن ہونے کا سوال۔ کاؤتسکی الحاق پر اعتراض تو ضرور کرتا ہے لیکن وہ اپنے اعتراضات کو ایسی شکل میں پیش کرتا ہے جو موقع پرستوں کے لئے زیادہ سے زیادہ قابل قبول اور کم سے کم دل شکن ہو۔ وہ جرمنوں سے مخاطب ہوتا ہے لیکن سب سے زیادہ موضوعی اور اہم نکتے کو دھندلا دیتا ہے، مثال کے طور پر الزاس لارین کے الحاق کو جو جرمنی نے کیا ہے۔ کاؤتسکی کی اس "ذہنی قلابازی" کے بارے میں ٹھیک رائے قائم کرنے کے لئے ہم مندرجہ ذیل مثال لیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ امریکیوں نے جزائر فلپائن کا جو بزور الحاق کیا ہے، کوئی جاپانی اس کی مذمت کرتا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا لوگوں کو یقین آجائے گا کہ وہ اس بات کی مذمت اس لئے کر رہا ہے کہ اسے عام طور پر الحاق سے زبردست نفرت ہے اور اس لئے نہیں کہ وہ خود جزائر فلپائن کا بزور الحاق کرنے کا خواہش مند ہے؟ اور کیا ہم یہ اعتراف کرنے پر مجبور نہیں ہوں گے کہ یہ جاپانی الحاق کے خلاف جو "جدوجہد" کر رہا ہے، وہ صرف اسی صورت میں مخلصانہ اور سیاسی لحاظ سے دیانت دارانہ سمجھی جاسکتی ہے جب وہ اپنے کوریا کے الحاق کے خلاف بھی جدوجہد کرے اور کوریا کی جاپان سے علیحدگی کی آزادی پر اصرار کرے؟

کاؤتسکی نے سامراج کا جو نظریاتی تجزیہ کیا ہے، وہ اور اسی طرح اس کی سامراج کی سیاسی اور معاشی تنقید دونوں اول سے آخر تک سامراج کے بنیادی تضادوں کو دھندلانے اور ان پر پردہ ڈالنے کی روح سے (جس میں اور مارکس ازم میں بعد مشرقین ہے) اور یورپی مزدور تحریک میں موقع پرستی کے ساتھ منہدم ہوتے ہوئے اتحاد کو ہر قیمت پر قائم رکھنے کی کوشش اور خواہش سے پر ہیں۔

10۔تاریخ میں سامراج کا مقام

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اپنے معاشی جوہر کے لحاظ سے سامراج اجارہ دارانہ سرمایہ داری ہے۔ یہ بات بجائے خود تاریخ میں اس کے مقام کا تعین کرتی ہے۔ کیونکہ جو اجارہ داری آزاد مقابلے کے بطن سے اور ٹھیک آزاد مقابلے سے پیدا ہوتی ہے، وہ سرمایہ دار نظام سے ایک زیادہ بلند سماجی معاشی نظام تک عبور ہے۔ ہمیں چار خاص قسم کی اجارہ داریوں یا اجارہ دارانہ سرمایہ داری کے خاص مظاہر پر گہری توجہ دینی چاہیے جو اس دور کے خصوصیات ہیں، جس کا جائزہ ہم لے رہے ہیں۔

اول: پیداوار کے ارتکاز کی بہت ہی اونچی منزل سے اجارے داری کی نشوونما ہوئی۔ یہ اشارہ ہے سرمایہ داروں کے اجارہ دارانہ اتحاد، کارٹیل، سینڈیکیٹ اور ٹرسٹ کی جانب۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ موجودہ معاشی زندگی میں ان کا رول کتنا اہم ہے۔ 20ویں صدی کی ابتداء میں اجارے داریوں نے ترقی یافتہ ملکوں میں مکمل برتری حاصل کر لی تھی اور اگر کارٹیلوں کی تشکیل کے پہلے اقدامات ان ملکوں نے کئے جو اونچے حفاظتی محصولات میں تھے (جرمنی، امریکہ) تو برطانیہ نے اپنے آزاد تجارت کے سسٹم کے ہوتے ہوئے اسی بنیادی مظہر (پیداوار کے ارتکاز سے اجارہ داری کا جنم) کا اظہار ذرا کچھ بعد میں کیا۔

دوم: اجارے داریوں نے خام اشیاء کے انتہائی اہم وسائل پر قبضہ جمانے کے عمل کو اور تیز کر دیا، خصوصاً سرمایہ دار سماج میں بنیادی اور بہت زیادہ کارٹیل شدہ صنعتوں کے لئے ! کوئلے اور لوہے کی صنعتوں کیلئے۔ خام اشیاء کے انتہائی اہم وسائل کی اجارہ دارانہ ملکیت نے بڑے سرمائے کی طاقت بہت بڑھا دی ہے اور کارٹیل شدہ اور غیر کارٹیل شدہ صنعتوں کے درمیان تضاد مزید بڑھا دیا ہے۔

سوم: اجارہ داری بینکوں سے پیدا ہوئی۔ بینک معمولی درمیانہ دلالوں کے کاروباروں سے بڑھ کر مالیاتی سرمائے کے اجارہ دار بن گئے ہیں۔ ہر ایک انتہائی ترقی یافتہ سرمایہ دار قوم میں تین سے لیکر پانچ تک سب سے بڑے بینکوں نے صنعتی اور بینک کے سرمائے کے درمیان "ذاتی رابطے" قائم کر لئے ہیں اور اپنے ہاتھوں میں اربوں کی رقم مرکوز کر لی ہے جو سارے ملک کے سرمائے اور آمدنی کا کثیر حصہ ہے۔ مالیاتی اولیگارشی جو دست نگری کے تعلقات کا گھنا جال موجودہ بورژوا سماج کے بلا استثنیٰ تمام معاشی اور سیاسی اداروں پر ڈالتی ہے۔ یہی اس اجارے داری کا انتہائی نمایاں اظہار ہے۔

چہارم: اجارہ داری نوآبادیاتی پالیسی کی پیداوار ہے۔ نوآبادیاتی پالیسی کے کثیر تعداد "پرانے" اسباب میں مالیاتی سرمائے نے خام اشیاء کے وسائل، سرمائے کی برآمد، "حلقہ ہائے اثر" یعنی منافع بخش کاروباروں کے حلقوں، مراعات، اجارہ دارانہ منافع وغیرہ اور آخر میں عام طور پر معاشی علاقے کی جدوجہد کا اضافہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر جب یورپی طاقتوں کی نوآبادیاں افریقہ کے صرف 10 فیصدی علاقے پر تھیں (جیسا کہ 1876 میں تھا) تو نوآبادیاتی پالیسی غیر اجارہ دارانہ طریقے سے ترقی کر سکتی تھی، کہنا چاہیے کہ زمین پر "آزادانہ قبضے" سے۔ لیکن جب 90فیصدی افریقہ پر قبضہ جمالیا گیا تو لازمی طور پر نوآبادیوں کا اجارہ دارانہ ملکیت کا دور شروع ہوا اور اس کے نتیجے میں دنیا کی تقسیم اور تقسیم نو کی جدوجہد خاص طور سے تیز ہو گئی۔

اجارہ دارانہ سرمایہ داری نے جس حد تک سرمایہ دار نظام کے تمام تضادوں کو تیز کر دیا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ضروریات زندگی کی گرانی اور کارٹیلوں کے مظالم

کو ہی دکھانا کافی ہے۔ تضادات میں یہ شدت تاریخ کے اس عبوری دور کی سب سے زبردست محرک قوت ہے جو عالمی مالیاتی سرمائے کی مکمل فتح کے وقت سے شروع ہوا ہے۔

اجارہ داریاں، اولیگارشی، آزادی کے لئے نہیں بلکہ تسلط کے لئے کوشش، مٹھی بھر سب سے زیادہ امیر یا طاقتور قوموں کے ہاتھوں بڑھتی ہوئی تعداد میں چھوٹی یا کمزور قوموں کا استحصال۔ ان سب باتوں نے سامراج کی ان امتیازی خصوصیات کو جنم دیا ہے جو مجبور کرتی ہیں کہ سامراج کی تعریف طفیلی یا زوال پذیر سرمایہ دار نظام سے کی جائے۔ سامراج کے ایک رجحان کی حیثیت سے "منافع خور ریاست"، سودخور ریاست کی تخلیق زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتی جارہی ہے جس میں بورژوازی زیادہ سے زیادہ برآمدی سرمائے کی حاصلات سے اور "چیک کاٹ کر" زندگی گزارتی ہے۔ یہ خیال کرنا غلط ہوگا کہ زوال کا یہ رجحان سرمایہ دار نظام کی تیز رفتار ترقی کو خارج از بحث کردیتا ہے۔ نہیں، سامراج کے دور میں صنعت کی بعض شاخیں، بورژوازی کے بعض پرت اور بعض ملک کم و بیش ان رجحانات میں سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے کا اظہار کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر سرمایہ دار نظام پہلے سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے ترقی کر رہا ہے لیکن یہ افزائش نہ صرف عام طور پر زیادہ سے زیادہ ناہموار ہوتی ہے بلکہ اس کی ناہمواری کا اظہار خصوصاً ان ملکوں کے زوال میں ہوتا ہے جو سرمائے کے لحاظ سے سب سے زیادہ دولتمند ہیں (برطانیہ)۔

جرمنی کی معاشی ترقی کی تیز رفتاری کے بارے میں بڑے جرمن بینکوں پر کتاب لکھنے والا ریسر لکھتا ہے "گزرے ہوئے دور (1848_70) کی ترقی کی تعلق جو بہت زیادہ سست نہ تھی موجودہ دور میں (1870_1905) جرمنی

کی ساری قومی معیشت اور خاص کر اس کے بینکوں کی ترقی کی تیز رفتاری سے ایسا ہی ہے جیسا کہ اچھے پرانے دنوں میں کسی ڈاک کی گھوڑا گاڑی کی رفتار کا تعلق ہے موجودہ زمانے کی تیز رفتار موٹر سے جو اتنی سرعت سے سنسناتی ہوئی گزرتی ہے کہ اس کے راستے میں نہ صرف بے چارے پیدل چلنے والوں کی بلکہ موٹر کار میں بیٹھنے والوں کی بھی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔'' اپنی طرف سے یہ غیر معمولی تیز رفتار ترقی کرنے والا مالیاتی سرمایہ محض اپنی اس تیز رفتار ترقی کی وجہ سے نوآبادیوں کی زیادہ ''پرسکون'' ملکیت کا خواہاں ہے جن کو وہ زیادہ امیر قوموں سے چھیننا چاہتا ہے اور صرف پرامن طریقوں سے ہی نہیں۔ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پچھلی دہائیوں میں معاشی ترقی جرمنی سے زیادہ تیز رفتار رہی ہے اور ٹھیک اسی وجہ سے جدید ترین امریکی سرمایہ دار نظام کا مفت خور کردار خاص طور سے نمایاں ہوا ہے۔ دوسری طرف مان لیجئے ری پبلکن امریکی بورژوازی کا شاہ پرست جاپانی یا جرمن بورژوازی سے موازنہ دکھاتا ہے کہ انتہائی نمایاں سیاسی امتیاز سامراج کے دور میں انتہائی درجے تک گھٹ جاتا ہے اسی لئے نہیں کہ وہ عام طور پر غیر اہم ہے بلکہ اس لئے کہ ان تمام صورتوں میں ہم ایسی بورژوازی کا ذکر کر رہے ہیں جو مفت خوری کا واضح کردار رکھتا ہے۔

صنعت کی بہت سی شاخوں میں سے کسی ایک کے بہت سے ملکوں میں سے ایک کے سرمایہ داروں کو بڑے اجارہ دارانہ نفع کا حصول ان کے لئے معاشی طور پر یہ ممکن بناتا ہے کہ مزدوروں کی بعض پرتوں کو اور فی الوقت ان کی کافی اچھی قابلیت کو خرید لیں اور کسی صنعت یا ملک کے بورژوازی کی طرف باقی دوسروں کے خلاف ان کو کھینچیں۔ سامراجی قوموں کے درمیان دنیا کی تقسیم کے لئے تضاد اس خواہش کو

اور تیزی سے بڑھاتی ہے۔ اس طرح سامراج اور موقع پرستی کے درمیان رشتہ پیدا ہوتا ہے جس کا اظہار سب سے پہلے اور سب سے صاف برطانیہ میں اس وجہ سے ہوا کہ ارتقاء کے بعض سامراجی خدوخال کا مشاہدہ دوسرے ملکوں سے بہت پہلے یہاں کیا گیا۔ بعض مصنف مثلاًل۔ مارتوف سامراج اور مزدور طبقے کی تحریک میں موقع پرستی کے درمیان رابطے کی حقیقت کو، جو آج کل کا بہت ہی نمایاں واقعہ ہے، ''سرکاری رجائیت'' کی (کاؤتسکی اور رہیوسانس کی اسپرٹ میں'' آڑ لیتے ہوئے اس طرح کی دلیلوں سے رد کرنا چاہتے ہیں! سرمایہ دارانہ نظام کے مخالفوں کا مطمع نظر مایوس کن ہوتا اگر سرمایہ دار نظام کی ترقی پسندی کی بدولت موقع پرستی میں اضافہ ہوتا یا اگر سب سے زیادہ اجرت پانے والے مزدور موقع پرستی وغیرہ کی طرف جھک جاتے۔ ہمیں اس قسم کی ''رجائیت'' کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ رجائیت موقع پرستی سے متعلق ہے، یہ رجائیت وہ ہے جو موقع پرستی پر پردہ ڈالنے کا کام کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موقع پرستی کے ارتقاء کی غیر معمولی تیزی اور خاص گھناؤنا کردار اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اس کی فتح پائیدار ہوگی جیسے کہ کسی صحت مند جسم پر دکھتے ہوئے پھوڑے کا تیزی سے بڑھنا صرف اس کے زیادہ جلدی پھوٹنے اور اس طرح جسم کو سکون پہنچانے کا سبب ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ خطرناک وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھنا نہیں چاہتے کہ سامراج کے خلاف جدوجہد اگر موقع پرستی کے خلاف جدوجہد سے اٹوٹ طریقے سے بندھی نہیں ہے تو وہ محض خالی خولی مکر بات ہے۔

اس کتاب میں جو کچھ سامراج کے معاشی جوہر کے بارے میں کہا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمیں اس کو عبوری دور کی سرمایہ داری کہنا چاہیے یا اس کو

جاں بہ لب سرمایہ داری کہنا زیادہ ٹھیک ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ دیکھنا بہت سبق آموز ہے کہ بورژوا ماہرین معاشیات جدید ترین سرمایہ دار نظام کو بیان کرتے ہوئے اکثر ''باہمی آمیزش'' اور ''علیحدگی کی غیر موجودگی'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ''اپنے عوامل اور ارتقاء کے لحاظ سے'' بینک خالص نجی کاروباری ادارے نہیں ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ خالص نجی کاروبار کے ضابطے کے دائرے سے نکلتے جارہے ہیں''۔ اور یہی ریسر جس کا میں نے ابھی حوالہ دیا ہے، پوری سنجیدگی کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ ''سماج کاری'' کے بارے میں مارکسسٹوں کی ''پیش گوئی'' صحیح ''نہیں ثابت ہوئی''۔

پھر ''باہمی آمیزش'' کا مطلب کیا ہے؟ وہ صرف اس عمل کے انتہائی نمایاں خدوخال کا اظہار کرتا ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہورہا ہے۔ وہ دکھاتا ہے کہ شاہد الگ الگ درختوں کا شمار کرتا ہے لیکن جنگل کو نہیں دیکھ سکتا۔ وہ غلامانہ طور پر سطحی ہنگامی اور بے ترتیب حالت کی نقل کرتا ہے۔ وہ ایسے شاہد کو دکھاتا ہے جو خام مال کی افراط سے بے حد متاثر ہو گیا ہے اور اس کے معنی اور اہمیت کو سمجھنے سے قطعی قاصر ہے۔ حصص کی ملکیت، نجی ملکیت کے مالکوں کے درمیان تعلقات ''اتفاقی طور پر باہمی آمیزش'' ہوتے ہیں۔ لیکن اس آمیزش کی تہہ میں، اس کی بنیاد میں پیداوار کے بدلتے ہوئے سماجی تعلقات ہیں۔ جب کوئی بڑا کاروبار بہت ہی وسیع صورت اختیار کر لیتا ہے اور کثیر معلومات کے ٹھیک حساب کتاب کی بنیاد پر منصوبے کے مطابق اس تمام ابتدائی خام اشیاء کی دوتہائی یا تین چوتھائی سپلائی کا انتظام کرتا ہے جو کروڑوں لوگوں کے لئے ضروری ہے، یہ خام اشیاء انتہائی باقاعدہ اور منظم طریقے سے پیداوار کے لئے مناسب جگہوں کو منتقل کی جانے لگتی ہیں جو کبھی ایک دوسرے

سے سینکڑوں یا ہزاروں میل دور واقع ہیں، جب واحد مرکز سامان کو تیار کرنے کی سلسلے وار منزلوں کی ہدایت متعدد قسم کی تیار شدہ مصنوعات پیدا کرنے تک دینے لگتا ہے، جب یہ تیار شدہ سامان واحد منصوبے کے مطابق کروڑوں اور اربوں صارفین (امریکہ اور جرمنی میں امریکی ''اسٹینڈرڈ آئیل کمپنی'' کا تیل فروخت کرنا) میں تقسیم کیا جاتا ہے، تب یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ پیداوار کی سماج کاری ہوئی ہے اور محض ''باہمی آمیزش'' نہیں، نجی معاشی اور نجی ملکیت کے تعلقات ایک ایسا خول ہیں جس میں اس کا مافیہ نہیں سماتا ہے، ایسا خول جس کو لازمی طور پر سڑنا ہے اگر اس کے خاتمے میں مصنوعی طور پر تاخیر کی گئی، ایسا خول جو کافی طویل عرصے تک سڑی ہوئی حالت میں رہ سکتا ہے (برے انجام کی صورت میں، اگر موقع پرست پھوڑے کے علاج نے طول پکڑا) لیکن وہ لازمی طور پر ختم کیا جائے گا۔

جرمن سامراج کا پرجوش مداح شولستے گے ویرنتیس کہتا ہے:

''اگر ایک بار جرمن بینکوں کا اعلیٰ انتظام درجن بھر لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے تو آج ان کی سرگرمی پبلک کی بھلائی کے لئے ریاست کے وزراء کی اکثریت کی سرگرمی سے زیادہ اہم ہو جائے گی'' (یہاں بینکروں، وزیروں، صنعت کے سیٹھوں اور مفت خور صاحبان جائیداد کی ''باہمی آمیزش'' کو بالکل فراموش کر دیا گیا...)۔

''اگر ہم ان رجحانات کے ارتقاء کا تصور کریں جن کو ہم نے دیکھا ہے اور ان کے منطقی نتائج تک جائیں تو ہمیں یہ ملے گا! قوم کا نقد سرمایہ بینکوں میں متحد ہے، خود بینک کارٹیل میں متحد ہیں، قوم کا لگا ہوا سرمایہ کاغذات زر کی شکل میں ہے۔ تب سین سائمن (28) کے یہ انتہائی ذہین الفاظ عملی صورت اختیار کر لیں گے''

پیداوار میں موجودہ نراج کو، جو اس حقیقت کی مطابقت کرتا ہے کہ معاشی تعلقات کسی یکساں ضابطے کے مطابق نہیں ترقی کر رہے ہیں، پیداوار میں تنظیم کی جگہ دینا چاہیے۔ پیداوار کی رہنمائی الگ الگ کارخانے دار نہیں کریں گے جو ایک دوسرے کے پابند نہیں ہیں اور انسان کی معاشی ضروریات سے ناواقف ہیں۔ یہ کام ایک معینہ پبلک ادارہ کرے گا۔ ایک مرکزی انتظامی کمیٹی جو سماجی معیشت کے وسیع میدان کا زیادہ بلند نقطہ نظر سے جائزہ لے سکے گی اور اس کو اس طرح ضابطے میں لائے گی کہ یہ پورے سماج کے لئے مفید ہے، ذرائع پیداوار کو مناسب ہاتھوں میں دے گی اور سب سے اہم یہ دیکھے گی کہ پیداوار اور صرفے کے درمیان مسلسل ہم آہنگی رہے۔ ایسے ادارے موجود ہیں جنہوں نے اپنے فرائض میں معاشی محنت کی ایک مخصوص تنظیم کو شامل کرلیا ہے۔ یہ ہیں بینک"۔ سین سائمن کی پیش بینی کو عملی جامہ پہنانے سے ابھی ہم بہت دور ہیں لیکن ہم اس کی جانب راہ پر گامزن ہیں: مارکس ازم کی طرف جو اس سے مختلف ہے جس کا مارکس نے خود تصور کیا تھا لیکن وہ صرف شکل میں مختلف ہے۔"

واقعی یہ مارکس کی لاجواب "تردید" ہے جو مارکس کے بالکل صحیح، سائنسی تجزیے سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر قیاس آرائی کی طرف جاتی ہے، چاہے وہ ذہانت آمیز ہی کیوں نہ ہو لیکن بہر حال ہے تو وہ سین سائمن کی قیاس آرائی ہے۔

تشریحی نوٹ

(1)۔سامراج ـــــ سرمایہ داری کی آخری منزل: نامی کتاب جنوری جون 1916 میں زوریخ میں "پاروس" اشاعت گھر کے لئے لکھی گئی تھی۔

ولادیمیر ایلچ لینن نے سرمایہ دار نظام کے ارتقاء کے نئے مظاہر کا ذکر پہلی عالمی جنگ سے کافی پہلے سے کیا۔انہوں نے خاص طور سے اس کی ایسی خصوصیات کی تشریح و تجزیہ کیا جو سامراجی دور کے لئے کرداری ہیں اور سرمایہ داری کے ارتقاء میں اجارہ دارانہ منزل کی ہمہ پہلو تحقیقات 1915 سے شروع کی۔''سامراج ــــ سرمایہ داری کی آخری منزل'' (عام فہم خاکہ) کی تیاری کے لئے کافی مواد جمع کیا اور اس کے لئے 148 کتابوں سے (جن میں 106 جرمن، 33 فرانسیسی، 17 انگریزی کتابیں اور 2 روسی ترجمے تھے) اور 232 مضامین سے اقتباس لئے گئے۔ 1917 کے وسط میں یہ کتاب ''سامراج ــــ سرمایہ داری کی آخری منزل'' (عام فہم خاکہ) کے نام سے لینن کے پیش لفظ کے ساتھ جس پر 26 اپریل 1917 کی تاریخ تھی، شائع ہوئی۔(صفحہ 5)

(2)۔اس کتاب کا پیش لفظ پہلی بار اکتوبر 1921 میں رسالہ ''کمیونسٹ انٹرنیشنل'' کے شمارہ 18 میں ''سامراج اور سرمایہ داری'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ لینن کی زندگی میں ''سامراج ــــ سرمایہ داری کی آخری منزل'' کتاب جرمن زبان میں 1921 میں اور فرانسیسی اور انگریزی (نامکمل) میں 1923 میں شائع ہوئی۔

(3)۔یہاں ذکر سوویت روس اور چار طاقتوں کے اتحاد (جرمنی، آسٹریا، ھنگری، بلغاریہ اور ترکی) کے درمیان امن معاہدے کا ہے جس پر بریست لیتو فسک میں 3 مارچ 1918 کو دستخط ہوئے۔ سوویت روس کے لئے اس معاہدہ امن کی شرائط بہت ہی سخت تھیں۔جرمنی کے اس انقلاب کے بعد جس نے شاہی حکومت کا تختہ الٹ دیا، 13 نومبر 1918 کو کل روس مرکزی انتظامیہ کمیٹی نے اس قزاقانہ اور ناجائز بریست لیتوفیسک معاہدے کے کالعدم ہونے کا اعلان کردیا۔

(4)۔1914_18 کی عالمی جنگ سامراجی جنگ ختم کرنے والے معاہدہ وارسائی پر 28 جون 1919 کو ایک طرف، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، سلطنت برطانیہ، فرانس، اٹلی، جاپان اوران طاقتوں کے دستخط ہوئے جو جنگ میں ان کے ساتھ تھیں اور دوسری طرف، جرمنی کے دستخط ہوئے۔معاہدہ وارسائی نے سرمایہ دار دنیا کی ازسرنوتقسیم کومستحکم کرنے کے مقصد کوفاتح طاقتوں کے حق میں رکھا اوران ملکوں کے درمیان تعلقات کا ایسا نظام بھی قائم کیا جس کا مقصد سوویت روس کا گلا گھونٹنا اور ساری دنیا میں انقلابی تحریک کو کچلنا تھا۔

(5)۔ویلسن ازم: یہ صدر ریاست ہائے متحدہ امریکہ (1913_21) کے نام پر ہے۔

(6)۔جنگ سے متعلق بازیل مینی فسٹو: بین الاقوامی غیر معمولی سوشلسٹ کانگرس میں منظور ہوا جو 24_25 نومبر 1912 کو بازیل میں ہوئی۔ مینی فسٹو نے قوموں کو عالمی جنگ کے خطرے سے متنبہ کیا جو سر پر منڈلا رہی تھی اوراس جنگ کے قزاقانہ مقاصد کو بےنقاب کر کے تمام ملکوں کے مزدوروں سے امن کے لئے اٹل جدوجہد کرنے اور ''پرولتاریہ کی بین الاقوامی یکجہتی سے سرمایہ دار سامراج'' کا مقابلہ کرنے کی اپیل کی۔ سامراجی جنگ ہونے کی صورت میں اس مینی فسٹو نے تجویز کی کہ سوشلسٹوں کو چاہیے کہ وہ جنگ پیدا کیے ہوئے معاشی اور سیاسی بحران کو سوشلسٹ انقلاب کی جدوجہد کیلئے استعمال کریں۔

(7)۔بازیل مینی فسٹو ابھی مارکسسٹس انٹرنیٹ آرکائیو کے اردو حصہ میں موجود نہیں۔

(8)۔دوسری انٹرنیشنل: سوشلسٹ پارٹیوں کی بین الاقوامی انجمن جو 1889

میں قائم کی گئی۔ سامراجی دور آنے سے اس پر زیادہ سے زیادہ موقع پرست رجحانات غالب آ گئے۔ جب 1914 میں عالمی سامراجی جنگ شروع ہوئی تو دوسری انٹرنیشنل کے موقع پرست لیڈروں نے اپنے اپنے ملکوں کی بورژوا حکومتوں کی سامراجی پالیسی کی کھلم کھلا حمایت کی۔ دوسری انٹرنیشنل ٹوٹ پھوٹ گئی۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹیوں کے انقلابی عناصر نے تیسری انقلابی انٹرنیشنل قائم کرنے کی جدوجہد کی۔ اس انٹرنیشنل کا قیام ماسکو میں 1919 میں عمل میں آیا۔ دوسری انٹرنیشنل کو 1919 میں برن کانفرنس میں بحال کیا گیا۔ اس میں وہ پارٹیاں شامل ہوئیں جو اشتراکی تحریک میں دائیں بازو کی موقع پرستی کی نمائندہ تھیں۔

(9)۔ لینن کا مطلب اس کانفرنس سے ہے جس کو برن میں فروری 1919 میں مغربی یورپ کی سوشلسٹ پارٹیوں کے لیڈروں نے دوسری انٹرنیشنل کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے منعقد کیا۔

(10)۔ جرمنی کی انڈیپنڈنٹ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی: مرکزیت پرستوں کی پارٹی اپریل 1917 میں قائم ہوئی۔ ''انڈیپنڈنٹ'' لوگوں نے مرکزیت پرست الفاظ کا لبادہ اوڑھ کر معاشرتی جارحانہ قوم پرستوں کے ساتھ ''اتحاد'' کا پرچار اور طبقاتی جدوجہد سے انکار کیا۔ پارٹی کا بنیادی حصہ کاؤتسکی کی تنظیم ''محنتی دوستی'' پر مشتمل تھا۔

اکتوبر 1920 میں شہر ہالے کی ''انڈیپنڈنٹ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی'' کی کانگرس میں پھوٹ پڑ گئی اور اس کا کافی بڑا حصہ دسمبر 1920 میں جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی سے متحد ہو گیا۔ دائیں بازو کے عناصر نے ''جرمنی کی انڈیپنڈنٹ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی'' کے پرانے نام سے الگ پارٹی بنائی جو 1922 تک قائم

رہی۔

(11) ۔کولچاک اور دینیکن: 20_1918 کی خانہ جنگی کے وقت روس کے انقلاب دشمنوں کے خاص لیڈر۔

(12) ۔منشویک۔وہ لوگ تھے جنہوں نے روسی سوشل ڈیموکریسی میں موقع پرستی کی نمائندگی کی۔ اس پارٹی کی تشکیل روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کی دوسری کانگرس (1903) میں ہوئی جس میں پارٹی کے مرکزی اداروں کے انتخاب میں لینن کے حامیوں کو اکثریت (بالشینستو) کے ووٹ ملے اور یہ لوگ بالشویک کہلائے اور موقع پرست اقلیت (منشینستوو) میں رہے اور منشویک کہلائے۔

منشویکوں نے پارٹی کے انقلابی پروگرام، انقلاب میں پرولتاریہ کی قیادت، اور مزدور طبقے اور کسانوں کے اتحاد کی مخالفت کی۔ وہ اعتدال پرست بورژوازی سے مصالحت کے حق میں تھے۔

1917 میں منشویکوں کے نمائندوں نے بورژوا عارضی حکومت میں شرکت کی اور عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی فتح کے بعد منشویکوں نے دوسری انقلاب دشمن پارٹیوں کے ساتھ مل کر سوویت اقتدار کے خلاف جدوجہد کی۔

سوشلسٹ انقلابی پارٹی: روس پیٹی بورژوا پارٹی جو 1901 کے آخر اور 1902 کی ابتداء میں ظہور میں آئی۔سوشلسٹ انقلابی پرولتاریہ اور کسانوں کے درمیان کا طبقاتی تفریق اور تضاد پردہ پوشی کرتے تھے اور انقلاب میں پرولتاریہ کے رہنما کردار سے انکار کرتے تھے۔

پہلی عالمی جنگ کے برسوں میں سوشلسٹ انقلابیوں کی اکثریت نے معاشرتی جارحانہ قوم پرستوں کی پوزیشن اختیار کی۔1917 میں فروری کے بورژوا

جمہوری انقلاب کی کامیابی کے بعد سوشلسٹ انقلابی منشویکوں کے ساتھ مل کر انقلاب دشمن بورژوا جاگیردار عارضی حکومت کے زبردست حامی تھے اور ان کے لیڈر اس حکومت میں شریک ہوئے۔سوشلسٹ انقلابی پارٹی نے کسانوں کے اس مطالبے کی حمایت سے انکار کر دیا کہ جاگیرداری کو ختم کر دیا جائے اور اس کی حمایت کی کہ زمین پر جاگیرداروں کی ملکیت برقرار رہے۔

غیر ملکی جنگی مداخلت اور خانہ جنگی کے برسوں میں سوشلسٹ انقلابیوں نے انقلاب دشمن توڑ پھوڑ کے اقدامات کئے، سرگرمی ساتھ مداخلت کرنے والوں کی حمایت کی، انقلاب دشمن سازشوں میں حصہ لیا اور سوویت اور کمیونسٹ پارٹی کے کارکنوں کا خلاف دہشت آمیز کاروائیاں منظم کیں۔

(13)۔اسپارٹاک والے: جرمنی کے بائیں بازو کے سوشل ڈیموکریٹوں کی انقلابی تنظیم کے ممبر تھے۔وہ عوام میں انقلابی پروپیگنڈا کرتے تھے، جنگ کے خلاف عام جلسے منظم کرتے تھے اور ہڑتالوں کی رہنمائی کرتے تھے، پہلی عالمی جنگ کے سامراجی کردار اور سوشل ڈیموکریسی کے مقع پرست لیڈروں کی غداری کو بے نقاب کرتے تھے۔ پھر بھی ان لوگوں نے نظریات اور سیاست کے مسائل میں سنگین غلطیاں کیں! انہوں نے مزدور طبقے کی جدوجہد میں پرولتاری پارٹی کے رہنما رول کا ٹھیک اندازہ نہیں لگایا اور موقع پرستوں سے الگ ہونے سے ڈرتے رہے،مزدور طبقے اور کسانوں کے اتحاد کی ضرورت اور قومی تحریک آزادی کی اہمیت کو نہیں سمجھے، علیحدہ ہونے اور خودمختار ریاست کی تشکیل کرنے کی حد تک قوموں کی حق خود ارادیت کی مخالفت کی۔

اپریل 1917 میں اسپارٹاک والے مرکزیت پرست ''جرمنی کی انڈپنڈنٹ

سوشل ڈیموکریٹک پارٹی" میں شامل ہو گئے لیکن اس میں اپنی تنظیم کی خودمختاری قائم رکھی۔ نومبر 1918 میں جرمنی میں انقلاب کے زمانے میں انہوں نے "اسپارٹک یونین" بنائی اور 14 دسمبر 1918 کو اپنا پروگرام شائع کیا اور "انڈپنڈنٹوں" سے علیحدہ ہو گئے۔ اپنی تاسیسی کانگرس میں جو 30 دسمبر 1918 سے یکم جنوری 1919 تک ہوئی، اسپارٹک والوں نے جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد ڈالی۔

(14)۔شیدمان اور نوسکے: جرمن سوشل ڈیموکریسی کے موقع پرست لیڈر، مزدور طبقے کے مفادات سے غداری کی۔

(15)۔وارسائی والے: اس فرانسیسی انقلاب دشمن بورژوا حکومت کے حامی تھے جس کا صدر مقام تیئر کی قیادت میں 1871 کے پیرس میون کی فتح کے بعد وارسائی والوں کو بنایا گیا۔ کمیون کو کچلنے کے وقت وارسائی والوں نے کمیون کے حامیوں کے خلاف شدید ترین جبر و تشدد کیا۔ 1871 کے بعد "وارسائی والوں" کا مطلب بدترین انقلاب دشمن سمجھا جانے لگا۔

پیرس کمیون: مزدور طبقے کی انقلابی حکومت جو پرولتاری انقلاب کی وجہ سے 1871 میں پیرس میں قائم ہوئی۔ یہ تاریخ عالم میں پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کی پہلی حکومت تھی __ وہ 72 دن تک __ 18 مارچ سے 28 مئی 1871 تک قائم رہی۔

(16)۔یہاں مطلب جرمن سوشل ڈیموکریٹوں کی خیمنیتس کانگرس کی اس قرارداد سے ہے جو سامراج اور جنگ کی طرف سوشلسٹوں کے رویے کے بارے میں 20 ستمبر 1912 کو منظور کی گئی۔ اس قرارداد میں سامراجی سیاست کی

مذمت کی گئی اور امن کی جدوجہد کی اہمیت پر زور دیا گیا۔

(17)۔ اس ایڈیشن میں صفحات کے نیچے خود لینن کے نوٹ ہیں۔

(18)۔اسٹاک ایکسچینج کا دیوالیہ پن 1873 کے پہلے نصف میں آسٹریا ہنگری پھر جرمنی اور دوسرے ممالک میں شروع ہوا۔

(19)۔گریونڈریے کے شرمناک واقعات: اس دور میں ہوئے جب پچھلی صدی کی آٹھویں دہائی کی ابتداء میں جرمنی میں جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کی تاسیس (جرمن لفظ گریونڈریا کا مطلب ہے: تاسیس) تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کے قیام کے وقت اسٹاک ایکسچینج میں اراضی اور کاغذات زر کی مجنونانہ سٹے بازی اور دھوکے بازی کا لین دین ہونے لگا۔

(20)۔یہاں لینن کی مراد پلیخانوف سے ہے۔

(21)۔فرانسیسی پناما: فرانس میں یہ محاورہ اس وقت رائج ہوا جب 1892_93 میں اس بات کا انکشاف ہوا کہ سرکاری اور سیاسی کارکن افسران اور پیرس نے اس کا فرانسیسی کمپنی سے رشوت لی جو نہر پناما کی تعمیر کر رہی تھی۔

(22)۔نرودازم: روسی انقلابی تحریک میں پیٹی بورژوا رجحان جو 19ویں صدی کی ساتویں اور آٹھویں دہائی میں پیدا ہوا۔ نرودنک مطلق العنانی کے خاتمے اور زمینداروں کی زمین کسانوں کو دینے کے حق میں تھے۔ ساتھ ہی وہ روس میں سرمایہ دارانہ تعلقات کے ارتقاء کے لازمی قانون کو نہیں مانتے تھے، اسی کے مطابق وہ پرولتاریہ کی بجائے کسانوں کو خاص انقلابی قوت مانتے تھے اور دیہی برادری میں سوشلزم کی ابتدائی نشانیاں سمجھتے تھے۔ مطلق العنانی کے خلاف کسانوں کو جدوجہد کے لئے ابھارنے کی غرض سے نرودنک دیہاتوں کو "نروڈ" (عوام الناس) میں

گئے لیکن ان کو حامی نہیں ملے۔

19 ویں صدی کی نویں اور دسویں دہائی میں وہ زار شاہی سے مصالحت کے راستے پر آ گئے، امیر کسانوں کے مفادات کا اظہار اور مارکس ازم کے خلاف سخت جدوجہد کرنے لگے۔

(23) ۔فیبئن سوسائٹی: انگلستان کی اصلاح پرست تنظیم جو 1884 میں قائم کی گئی تھی۔ اس کو یہ نام روم کے جنرل فیبی میکسم (تیسری صدی۔قبل مسیح) سے ملا۔ اس سوسائٹی کے ممبر زیادہ تر بورژوا دانشوروں کے نمائندے__ عالم، ادیب اور سیاسی کارکن تھے۔ وہ پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد اور سوشلسٹ انقلاب کی ضرورت کو نہیں مانتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ صرف اصلاحیں کر کے، رفتہ رفتہ سماج کی نئی تشکیل کر کے سرمایہ دار نظام سے سوشلزم تک پہنچنے کا امکان ہے۔ 1900 میں یہ سوسائٹی لیبر پارٹی میں شامل ہو گئی۔

ابراہم لنکن: (1809_1865) ممتاز امریکی ریاستی کارکن، صدر ریاست ہائے متحدہ امریکہ (1861_1865)۔

(25) ۔لینن کی مراد یہاں نام نہاد "مختتم سمجھوتے" سے ہے جس پر 7 ستمبر 1901 کو سامراجی طاقتوں (برطانیہ، آسٹریا ہنگری، بلجیئم، فرانس، جرمنی، اٹلی، جاپان، روس، ہالینڈ، ہسپانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ) اور چین کے درمیان 1899_1901 کی بوکسر بغاوت کچلنے کے نتیجے میں دستخط ہوئے تھے۔ اس سے غیر ملکی سرمائے کو چین کا استحصال کرنے کا نیا امکان ملا۔

(26) ۔بوکسر بغاوت: 1899_1901 میں چین میں سامراج دشمن عوامی بغاوت کو دبانے میں جرمنی، جاپان، برطانیہ، امریکہ اور روس کے سامراجیوں

نے حصہ لیا۔ چین کو مجبور ہو کر 1901 میں نام نہاد ''مختتم سمجھوتے'' پر دستخط کرنے پڑے جس کے مطابق چین غیر ملکی سامراج کی نیم آبادی بن گیا۔

(27)۔فاشودا: مشرقی سوڈان میں ایک جگہ جہاں ستمبر 1898 میں انگریز اور فرانسیسی نو آباد کاروں کے درمیان فوجی تصادم کی وجہ سے بین الاقوامی صورت حال میں شدید بحران پیدا ہو گیا۔ اس سے برطانیہ اور فرانس کے درمیان سوڈان پر تسلط کے لئے مقابلے کا اظہار رہوا۔

(28)۔سین سائمن: آنری کلود (1860_65)۔عظیم فرانسیسی سوشلسٹ یوٹوپیا پرست۔

ختم شد